

آل محمدؐ کا دیوانہ

# پہلولِ دانا

**PDFBOOKSFREE.PK**

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
www.pdfbooksfree.pk



حکایت

سیدہ عابدہ برحس



قومی مُلوک طبع کہ از رُوئے سلطنت  
گوئی کہ احترام سلاطین کشورند  
شاهانِ دلق پوش کہ گاہِ حمایتی  
زیرِ گلیمشانِ جم و خاقان کشورند  
امروز از نعیمِ جهان چشمِ دوختہ اند  
فدا خود از کرشمہ بفرسوسِ ننگرند  
منگر بہ چشمِ خوار در این پا برہنگان  
نزد خرد عزیز تر از دیدہ ترند  
آدم بہشت را بدو گندم اگر فروخت  
حقاکہ این گروہ بیک جو نمی خزند

جملہ حقوق  
دائمی طور پر بحق ناشر محفوظ ہیں!

قریبہ  
یہ بادشاہوں کا سا مزاج رکھنے والے لوگ گویا بادشاہوں جیسے  
اختیار کے مستحق ہیں۔  
ان گڈڑی پوش بادشاہوں کے غلام بھی اپنی گڈڑیوں میں جمشید اور  
اور خاقان کا سا وقار چھپاتے پھرتے ہیں۔  
انہوں نے آج دنیا کی نعمتوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور کل  
یہ جنت کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔  
ان برہنہ یا فقیروں کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھو۔ کہ عقل  
کے نزدیک یہ ان آنکھوں سے زیادہ محترم ہیں جن میں خوفِ الہی  
سے آنسو جھپکتے ہیں۔  
ہاں۔ اگر آدمؑ نے جنت کو گہیوں کے دو دانوں کے عوض بیچ دیا  
تھا۔ تو سچ جانو کہ یہ دیوانے جنت کو ایک جوئے کے عوض بھی نہیں خریدیں گے۔

نیران ————— رضا حسین رضوانی  
سرورق ————— محمد ہارون آرٹسٹ  
مطبوع ————— پراٹما پرنٹرز کراچی

## نذرِ قاریں

قاریں! بھلے تاریخ کا ایک ایسا یگانہ روزگار کردار ہے۔ جسے اہل محمدؐ کے معجزے سے تعبیر کیا جاتے تو غلط نہیں ہوگا۔ اس نام کے کئی اور لوگ بھی گزرے ہیں۔ لیکن بھلے سے مراد عموماً وہی شخص لیا جاتا ہے۔ جس نے دیوانگی کا مفہوم بدل دیا اور دانش برہانی کے معنی سمجھائے۔ تاریخ کے صفحات میں وہ واحد دیوانہ ہے۔ جو دانائے راز ہے اور وہ تنہا پاگل کہلانے والا ہے۔ جو دانشمندیوں کو حکمت و دانش سکھاتا ہے۔ اُس نے ایک ایسی انوکھی راہ چنی تھی۔ جو آج تک کسی کے قدموں سے پائمال نہیں ہوئی۔ بھلے کی 'ب' پر پیش اور 'ہ' پر جزم ہے۔ یہ نام ہنس مکھ، سچے اور حاضر جواب لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بھلے کی ان ہی خوبیوں نے اس کا اصل نام فراموش کروا دیا تھا۔ وہ ہر جگہ بھلے ہی کہلاتا تھا۔ جس طرح وہ اپنے دور میں ایک مقبول شخصیت تھا۔ اسی طرح ہر دور میں وہ ایک پسندیدہ کردار رہا ہے۔ اس کی حکایات دلچسپی اور شوق سے کہی اور سنی جاتی ہیں۔

اُس کا اصل نام وہب بن عمرو۔ اور جائے ولادت کوفہ بیان کی گئی ہے۔ وہ بغداد کے ثروت مندوں میں سے تھا۔ بعض روایات میں اسے ہارون رشید کا قریبی رشتہ دار اور برادرِ مادری لکھا گیا ہے۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں میں سے تھا۔ اُس نے ان کے فرزند امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا زمانہ بھی دیکھا تھا۔

قاضی نور اللہ شوشتریؒ کے بقول وہ ہارون رشید کے عہد کے دانشمندیوں میں سے گزرا ہے۔ جو کسی مصلحت کے تحت دیوانہ بن گیا تھا۔ (مجالس المؤمنین)

اُس کی دیوانگی کے بارے میں دو روایات مشہور ہیں۔ یہ بھی معروف ہے کہ اس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ہدایت پر دیوانگی کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ اس طرح اس نے اپنی جان بھی بچالی اور اس دور کے شاہی دربار کے لیے ایک ایسا نقاد بن گیا۔ جو ہنسی ہی ہنسی میں انھیں آئینہ دکھاتا رہتا تھا۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ہارون رشید عباسی کی مختصمت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ تاریخ نے امام عالی مقام کی چودہ سال کی قید سخت اور زہر سے شہادت کا ذمہ دار ہارون کو ہی ٹھہرایا ہے۔

ایک روایت کے مطابق۔ ہارون نے دیگر متقی اور نامور



نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی دانشمندی اور ذہانت نے کبھی اس کا موقع نہیں دیا کہ اس کے کسی لفظ پر گرفت کی جاسکتی۔

بہلول کے حالات زندگی تو دستیاب نہیں ہیں۔ لیکن اس کی حکایات کے مطالعے سے اس کے جو خدو خال ابھرتے ہیں۔ وہ ایک غیر معمولی ذہین، دانشمند اور طباع شخص کی نشان دہی کرتے ہیں۔ وہ حقیقی معنوں میں ایک خدا رسیدہ عالم اور نابغہ روزگار تھا۔ وہ بہترین حس مزاج رکھتا تھا۔ اس دور کے حالات اور معاشرت پر اس کی نگاہ گہری تھی۔ وہ ایک حیرت انگیز شگفتہ برجستگی کے ساتھ اپنی دیوانگی کا بھرم بھی رکھتا تھا۔ اور دیوانی بات بھی نہیں کہتا تھا۔ اس نے دیوانگی اور فرزانگی کو کچھ ایسے معجزانہ انداز میں ہم آہنگ کیا تھا کہ وہ نہ صرف اس کی جان کی ضمانت تھی بلکہ مظلوموں کی حمایت کا ایک مؤثر ذریعہ اور حکومت وقت پر کھلی تنقید بھی تھی۔

اس کی شگفتگی، زندہ دلی اور بذلہ سنجی نے اسے ہر دور کا ایک ہر دل عزیز کردار بنا دیا ہے۔ تاریخ کے صفحات میں وہ ایک ایسا مجید العقول کردار ہے۔ جو دیوانہ بھی ہے اور لوگ اس کے فضل و کمال کے قابل بھی ہیں۔ وہ پاگل بھی کہلاتا ہے اور مشکل مسئلوں میں اس کی رائے کو اہمیت بھی دی جاتی ہے اس سب کے باوجود کوئی یہ ثابت نہیں کر پاتا کہ وہ دیوانہ نہیں

لوگوں کے ساتھ بہلول سے بھی امام معصوم کے قتل کا فتویٰ طلب کیا تھا۔ بہلول انہار کے نتائج سے خوب واقف تھا۔ اس لیے اُس نے امام موسیٰ کاظمؑ سے رہنمائی کی درخواست کی اور ان کی ہدایت پر دیوانہ بن کر اپنی جان بچالی۔

اس کے بارے میں دوسری روایت یہ ہے۔ کہ بہلول کا جرم آل محمدؑ سے عقیدت اور ارادت مندی تھا۔ جو ہارون کے دور میں قابل گردن زدنی جرم قرار پایا تھا۔ جب بہلول کو پتہ چلا کہ اسے عنقریب گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے گا۔ تو اس نے اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ امام معصومؑ سے قید خانے میں رابطہ کیا۔

حالاتِ زمانہ کے پیشِ نظر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس کے سوال کا جواب صرف ایک حرف 'ج' کی صورت میں دیا جس سے بہلول پر 'جنون' کے معنی 'منکشف' ہوئے۔ وقت اور حالات کے تقاضے کو سمجھتے ہوئے اس نے ایک ایسی پُراختہ دیوانگی اختیار کر لی۔ جسے اس دور کی چلتی پھرتی پوزیشن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

بہلول جرات و بیباکی، حق گوئی اور مظلوموں کی حمایت کا علمبردار تھا۔ وہ اس دور میں بادشاہ پر کھلے بندوں تنقید کرتا تھا۔ جب کوئی بادشاہ کے خلاف زبان کھولنے کا تصور بھی



ہے۔ یہی اس کا کمال ہے کہ وہ درحقیقت آلِ محمدؐ کا دیوانہ ہے۔

اس کتاب کی تالیف میں کرمان محمود ہمت کی جمع کردہ حکایات سے مدد لی گئی ہے اور ہم اس کا اعتراف شکریے کے ساتھ کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



سیدہ عابدہ نرہیس

شہروں کے شہر بغداد کی پُر رونق شاہراہوں پر زندگی اپنی مخصوص گہما گہمی سے رواں دواں تھی۔ لوگ باگ اپنے روزمرہ کے معمولات میں مصروف تھے۔ بازاروں میں خرید و فروخت ہو رہی تھی اور گلی کوچوں میں لڑکے بالے کھیل کود میں مگن تھے۔ اچانک — اک شور اٹھا — چہار جانب اک ہلچل سی مچ گئی۔ لوگوں نے وہب کو دیکھ کر انگلیاں دانتوں میں داب لیں اور حیرت و استعجاب سے نیرنگی دوراں کا کرشمہ دیکھنے لگے۔

بغداد کا مشہور ثروت مند وہب بن عمرو جو عباسی خلیفہ

۱۰ عمر اور عمر کا فرق ظاہر کرنے کے لیے عمرو میں ر کے بعد و لکھا جاتا ہے جو کہ پڑھا نہیں جاتا۔



میثم کا علمی درجہ کتنا بلند تھا اس کا اندازہ ان کے فرزند صالح کے اس روایت سے ہوتا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے درخواست کی کہ آپ مجھے حدیث کی تعلیم دیجئے۔ امام نے فرمایا کیا تم نے اپنے والد سے حدیثیں نہیں سنیں۔ صالح نے کہا نہیں۔ میں ان کی زندگی میں بہت کم سن تھا۔ امام محمد باقرؑ کا صریحی مطلب یہ تھا کہ میثم نے امیر المومنینؑ سے اتنے علوم حاصل کئے تھے کہ اگر صالح کو ان سے استفادہ کا موقع ملتا تو انہیں کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

### علم المنايا والبلایا

یعنی موتوں کا علم اور ان واقعات و حادثات کا علم جن میں آئندہ لوگ مبتلا ہونے والے تھے۔ امیر المومنینؑ نے اپنے خاص الخاص اصحاب کو اس علم سے بہرہ مند کیا۔ میثم بھی اس علم کے امانت داروں میں سے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ انہیں کون قتل کرے گا اور کیونکر قتل کرے گا؟ وہ صرف اپنی ہی پیش آنے والی مصیبتوں سے آگاہ نہ تھے بلکہ دوسروں پر جو پیش آنے والی تھیں ان کا بھی انہیں علم تھا۔ چنانچہ بنی اسد کی نرم میں ان کی ملاقات حبیب بن مظاہر سے ہوئی، دونوں دیر تک راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے، سلسلہ گفتگو میں حبیب بن مظاہر نے کہا، میں ایک گنجہ سر پر شکم شخص کو دیکھ رہا ہوں جو دارالرزق

علوم کے حامل، آپ کے رموز و اسرار کا خزن تھے ایسے رموز و اسرار جن کا متحمل بس وہی شخص ہو سکتا تھا جس کے ایمان کو اللہ نے پرکھ لیا ہو۔ امیر المومنینؑ میثم کو اتنی اہمیت دیتے، اتنی عزت و توقیر فرماتے کہ بازار میں ان کے پاس بیٹھا کرتے آنے جانے والے آپ کو دیکھتے کہ ان سے مصروف گفتگو ہیں، ان کو تو تعلیم فرما رہے ہیں، علوم الہیہ سے انہیں فیضاب کر رہے ہیں۔ اہل علم و دیندار مومنین کی امیر المومنینؑ کی نگاہوں میں وہ قدر و منزلت تھی اور اس طرح ان سے پیش آتے جیسے انہیں میں سے ایک ہوں۔ آپ ان کے پہلو بہ پہلو بیٹھے اور ہر بات میں ان کو برابر کا درجہ دیتے۔

### علم

خداوند عالم اور اہل ایمان کے نزدیک کوئی شخص علم دین ہی کی وجہ سے سر بلند و سرفراز ہوتا ہے جس کا جتنا علم ہوگا اسی لحاظ سے اس کا درجہ ہوگا۔ میثم دین و شریعت کے بیش از بیش علوم کے حامل ہوئے اور علم کے مطابق عمل کرنے ہی کی وجہ سے سر بلند ہوئے۔ اِنْ اَكُوْهُمُ عِنْدَ اللّٰهِ اَتَفَكَّهُمْ اِنْ كَابَۤیَۤا عَلٰی عِلْمٍ اور امیر المومنینؑ سے اکتساب و استفادہ باوجودیکہ بہت مختصر مدت اس کے لیے انہیں ملی صرف اس وجہ سے تھا کہ ان کی طبیعت پاکیزہ تھی۔ اور مبدی فیض کی طرف سے صلاحیت و استعداد لے کر آئے تھے۔



رہے تھے۔

اس کے برابر کھڑا ہوا ایک شخص بڑے غیر محسوس انداز میں مجمع سے علیحدہ ہوا اور اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ کچھ دُور تک دونوں اسی طرح چلتے رہے۔ پھر پہلے شخص نے اپنے عقب میں قدموں کی چاپ سے کسی اور کی موجودگی کا اندازہ لگایا اور غیر ارادی طور پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دوسرے شخص نے اپنے قدموں کو تیز کیا اور اس کے برابر آگیا۔ اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور محتاط لہجے میں بولا۔  
 ”اے مردِ بزرگ! میں نے آپ کی باتوں میں اصرار کو بولتے سنا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہب کی دیوانگی میں جو حکمت پوشیدہ ہے آپ اس سے واقف ہیں۔ آپ مجھے خُدا رسیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ میں آپ جیسے لوگوں کی گفتگو میں اپنے لیے ہدایت و رہنمائی تلاش کرتا ہوں۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ مجھے وہب کی حالت کی کچھ خبر دے دیں۔“

اس مردِ بزرگ نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی۔ اور بے نیازی سے کہا۔  
 ”اے بندۂ خدا! تو کسی عظیم غلط فہمی کا شکار معلوم ہوتا ہے۔ جا اور اپنی راہ لے۔ مجھے بھلا وہب سے کیا سروکار۔“

اس شخص نے بزرگ کا دامن پکڑ لیا۔ ”بُخدا میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں۔ میں نے عالموں اور برگزیدہ لوگوں کی صحبت میں وقت گزارا ہے۔ آپ جیسے لوگ تو حکمت و دانیش کے سرچشمے ہیں۔ اگر آپ اس لیے مجھ سے کلام نہیں کرنا چاہتے کہ حالاتِ زمانہ دگرگوں ہیں اور خلیفہ ہارون کے جاسوسوں اور عام لوگوں میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ تو میں خُدا کی قسم کھا کر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ جو کچھ بھی فرمائیں گے وہ میرے پاس امانت کی طرح محفوظ رہے گا۔ اگر میں اس میں خیانت کروں تو اللہ مجھے وہی سزا دے جو خائن کی ہے۔“

اس مردِ بزرگ نے اس کی طرف گھور کر دیکھا۔ اور بیزاری سے کہنے لگا۔  
 ”اے شخص! تو کس قدر باتونی اور گفتگو کا شائق ہے۔ میں نے تجھ سے کہہ جو دیا کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“ وہ اتنا کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

مگر اس شخص نے پیچھا نہیں چھوڑا اور اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا بولا۔  
 ”میں خُدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا ہارون رشید اور اس کے حواریوں سے کوئی تعلق نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ ان تین اشخاص میں سے ایک ہیں



جنہوں نے امام موسیٰ بن جعفرؑ — میرے ماں باپ ان پر  
فدا ہوں — سے قید خانے میں رابطہ کیا تھا اور وہیں  
بھی اس وقت آپ کے ساتھ تھا —

وہ مردِ بزرگ ٹھٹھک کر رک گیا اور خشک لہجے  
میں بولا — ”اگر تو اتنا کچھ جانتا ہے تو پھر میرے پیچھے  
کیوں پڑا ہے — تجھے میرے بیان کی کیا حاجت ہے؟“  
”میں اہل بیتؑ کا دوست دار ہوں — میں اس کٹھن  
وقت کی سختیوں سے واقف ہوں جو آلِ محمدؑ کے ہی خواہوں  
کو درپیش ہیں — امام وقت موسیٰ بن جعفرؑ مسلسل قید  
میں ہیں — زندان کے دربانوں کی ان پر سختیاں دیکھ  
کر دل خون کے آنسو روتا ہے — مگر افسوس کہ ہم  
بے بس ہیں اور شاید بُزدل بھی — یقیناً خدا کے یہاں  
ہم اس کے لیے جواب دہ ہوں گے — ان سے رابطہ  
کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے — مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ نے  
کسی طرح ان سے رابطہ کیا ہے — تو میں نے سوچا آپ سے  
ہدایت اور بصیرت حاصل کروں —“

وہ مردِ بزرگ گونگو کی سی کیفیت میں کچھ سوچتا رہا  
پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولا — ”اگر تم سچ کہہ رہے ہو  
— تو اُسے ثابت کرو —“

”بسر و چشم — آپ میرے ہمراہ تشریف لے چلیے  
— میری زوجہ مدینے کی ہے اور آلِ محمدؑ کی آزاد کردہ  
کنیز ہے — ہماری دولتِ مودتِ اہل بیتؑ ہے —  
آپ جیسی چاہیں مجھ سے قسم لے لیں —“ جیسا چاہیں اطمینان  
کریں —“ اس نے پوری سچائی سے کہا —

مردِ بزرگ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا جو اس کے  
لفظوں کی تائید کر رہی تھیں اور کچھ سوچ کر اس کے ساتھ  
روانہ ہو گیا — اس کے گھر پہنچ کر جب اس نے اچھی طرح  
سے اطمینان کر لیا کہ اس کی گفتگو غیر محفوظ نہیں ہوگی —  
تو بولا : —

”سُن — اے بندۂ خدا — !!! تو حالاتِ زمانہ کو  
جانتا ہے اور تجھ سے یہ بھی پوشیدہ نہیں کہ لوگوں کی  
ہمدردیاں عباسیوں کو اس لیے حاصل ہوئی تھیں کہ  
انہوں نے آلِ محمدؑ کی حمایت اور اعانت کا نعرہ لگایا  
تھا — ان کا حق ان تک پہنچانے کا وعدہ کیا تھا — مگر  
افسوس کہ انہوں نے نہ صرف آلِ محمدؑ کا حق نہیں پہچانا  
— بلکہ لوگوں کی ان کے ساتھ عقیدت اور محبت دیکھ کر  
انہیں اپنی سلطنت کے لیے خطرہ تصور کرنے لگے —“  
”اُن کے دن رات اسی کوشش میں صرف ہوتے



میں اس قدر سختی ہے کہ انھوں نے مٹی کی اس ٹھیکری پر حروفِ تہجی میں سے صرف ایک حرف لکھا تھا۔  
”وہ کیا“ — ۹۹ اس شخص نے بے تاب ہو کر سوال کیا۔

”اس ٹھیکری پر حرفِ جنیم“ لکھا ہوا تھا — فرزندِ رسولؐ کے عطا کردہ اس ایک حرف نے ہم پر حکمت کے دروازے کھول دیے — ہمیں اپنی مشکل کا حل از خود مل گیا جو ہمارے حالات کے ساتھ میل کھاتا ہے۔ ہمارا تیسرا ساتھی، جس کا نام ظاہر کرنا ضروری نہیں، اس نے ”ج“ سے ”جلا وطنی“ مراد لیا — وہ آج رات یہ شہر چھوڑ دے گا — میرے وجدان میں ”ج“ سے ”جبل“ کا انکشاف ہوا ہے — میں پہاڑوں پر اپنے آبائی مکان میں پناہ لوں گا — اور ہمارے دوست وہب بن عمرو کے لیے یہ حرف ”ج“ جنون کی علامت بنا ہے — اور تم دیکھو گے کہ آلِ محمدؐ کے اس دیوانے کی دیوانگی فزانوں کو شرمادے گی —



وہب بن عمرو بچوں کے ہجوم میں بچہ بنا ہوا —

ہیں کہ کس طرح امام موسیٰ بن جعفرؑ سے لوگوں کی توجہ ہٹا سکیں۔ اسی لیے یہ ہر اس شخص کی جان کے دشمن ہو جاتے ہیں جو آلِ محمدؑ سے عقیدت رکھتا ہے — ہمیں یہ اطلاعات برابر مل رہی تھیں کہ ہم محبتِ آلِ محمدؑ کے جرم میں عنقریب ہارون کے زیرِ عتاب آنے والے ہیں۔ اسی لیے ہم نے باہم مشورہ کیا لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ ”بالآخر یہی فیصلہ کیا کہ امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ ان کی قید کے احوال سے تو تم واقف ہو کہ ان کے دربان چُن چُن کر شقیُّ القلب اور دشمنِ اہلبیتؑ رکھے جاتے ہیں — ان سے ملنے پر سخت پابندی ہے — لیکن کسی نہ کسی طرح ہم نے اپنا مسئلہ ان کی خدمت میں پہنچا ہی دیا“ —

”اگلے روز صبح صادق کے وقت زندان سے مٹی کی ایک ٹھیکری گری — ہم پہلے ہی اس تاک میں تھے — ہم نے بڑی رازداری سے وہ ٹھیکری اٹھالی — میں قربان جاؤں اپنے امامؑ پر“ — اس کا لہجہ گلوگیر ہو گیا اور وہ رُک کر آنسو پونچھنے لگا — دوسرے شخص کی آنکھوں سے بھی آنسو گرنے لگے —

اس مردِ بزرگ نے سرد آہ بھری — ”امام پر قید خانے



نہ آئے۔ میرے گھوڑے کا مزاج شاہانہ ہے۔ کسی کولات  
مار دی تو مجھے نہ کہنا۔“

بچے ہنسنے اور تالیاں بجانے لگے۔ وہب نے دیوار  
کے ساتھ ٹیک لگالی اور گہرا سانس لے کر بولا۔ ”اچھا  
دوستو!۔ اب مجھے کمر سیدھی کرنے دو اور تم اپنے اپنے  
گھروں کو جاؤ۔“

بچے کچھ دیر اس کے ساتھ چھپر خانی کرتے رہے۔ جب  
وہب نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ تو وہ ایک  
ایک کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ وہب نے  
اسی کھنڈر میں ڈیرا جمالیا۔

اس کے گھر والے پریشان ہوئے۔ اس کے عزیز رشتہ دار  
اکٹھے ہوئے اور لوگوں سے پوچھتے، معلوم کرتے اسی کھنڈر  
تک پہنچے جہاں وہب نے بسیرا کیا تھا۔ دیکھا کہ وہنگی  
زمین پر اپنے بازو کا تکیہ بناتے چین کی نیند سو رہا ہے۔  
اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کے عزیزوں کی آنکھوں میں آنسو  
آگئے۔ کچھ اظہارِ افسوس کرنے لگے۔ ایک نے جھک کر اس کا  
شانہ ہلایا۔ ”وہب۔ وہب۔“ اٹھو۔ جنون کی  
اس نیند سے جاگو۔ آنکھیں کھولو۔“

وہب ہوشیار ہوا اور اس نے نیند سے بھری آنکھیں

دیوانوں کی سی حرکتیں کرتا۔ بالآخر ایک ویرانے میں آن  
اُترا۔ وہ بچوں کے ساتھ ساتھ دوڑ کر ہانپ گیا تھا اور کچھ  
تھکاوٹ بھی محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنے عصا کے فرضی گھوڑے  
پر سے اُترا اور بچوں سے بولا : —

”میرا گھوڑا تھک گیا ہے۔ اسے جھوک بھی لگی ہے  
— اب یہ آرام کرنا چاہتا ہے۔“ اس نے عصا کو گھوڑے  
کی طرح چمکار کر کھنڈر کی شکستہ دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا  
— بچے کھکھلا کر ہنس پڑے۔ ”اے وہب! — کیا تمہارا  
گھوڑا گھاس کھاتا ہے۔“

”ہاں۔ ہاں۔ یہ تمہاری عقل کے ساتھ ہر روز گھاس  
چرنے جاتا ہے۔“ وہب نے شوخی سے جواب دیا۔

”اچھا۔ اور یہ پانی بھی پیتا ہے۔“ ایک اور  
شریر بچے نے سوال کیا۔

”ہاں۔ یہ پانی بھی پیتا ہے۔ مگر تمہارے خلیفہ  
کے پیمانے میں۔“ وہب ہنسا۔

بچے بھی اس کی ہنسی میں شریک ہو گئے اور مچل  
مچل کر بولے۔ ”اے وہب! — ہمیں بھی اپنے گھوڑے  
کی سواری کراؤ۔“

وہب نے انہیں پرے دھکیلا۔ ”خردار۔ کوئی قریب



”بیمار تو سب ہی ہیں۔ علاج کی کس کو ضرورت نہیں  
— وہب ہنسا اور رازداری سے بولا — ”تم خود ہی کہو  
— کیا خلیفہ کیا وزیر کیا کوتوال اور کیا داروغہ — ان میں  
سے کون ہے۔ جسے علاج کی ضرورت نہیں۔“  
”ہماری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ جگہ تمہارے  
شایانِ شان نہیں۔“ اس کے رشتہ دار پریشان ہو گئے۔  
”بھلا یہ میرے شایانِ شان کیوں نہیں۔ یہ خلیفہ  
کے محل سے تو بہتر ہے کہ روزِ حشر مجھ سے اس کے بائے  
میں کوئی باز پرس تو نہیں ہوگی۔“

اس کے رشتہ دار زچ ہو گئے۔ انہوں نے بہتیری  
کوشش کی کہ اسے گھر لے جائیں اور اس کے جنون کا کچھ علاج  
ہو جائے۔ لیکن وہ قطعاً رضامند نہیں ہوا۔



اب وہ فرشِ خاک، تنگستہ دیواریں اور کھلا آسمان  
ہی اس کا گھر تھا۔ وہ آرام و آسائش سے بے نیاز ہو گیا تھا  
نعمتِ ہائے دُنیا سے اس نے منہ موڑ لیا تھا۔ اسے رشتوں  
اور قرابتوں کی پروا نہیں رہی تھی۔ وہ رُوکھے سُوکھے چند  
ٹکڑوں پر گزر بسر کرتا تھا اور ننگی زمین پر اپنے بازو کے

کھول کر اپنے چاروں طرف جمع شناسا چہروں کو دیکھا جن پر  
دُکھ اور تفکر کی لکیریں تھیں۔ وہ ہمدردی سے اس کی  
طرف دیکھ رہے تھے۔

”کیا بات ہے۔“ وہب نے اُٹھ کر بیٹھے ہوئے کہا۔  
”وہب اٹھو۔ گھر چلو۔“ ایک عزیز نے قریب بیٹھ  
کر اس کی عبا سے گرد جھاڑتے ہوئے کہا۔

”یہ بھی تو گھر ہے۔“ وہب نے کھنڈر کی ٹوٹی ہوئی  
دیواروں کی طرف اشارہ کیا۔ ”بھلا اس میں کیا کمی ہے  
— نہ ہمسائے کا جھگڑا — نہ مالکِ مکان کا خوف — نہ  
دربان کی مصیبت — نہ چور کا ڈر۔“

”کیسی باتیں کر رہے ہو وہب۔“ کوئی اُنسیت  
سے بولا۔  
”میں تمہاری زبان ہی تو بول رہا ہوں۔“ وہب  
نے جواب دیا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ کوئی بولا۔  
”میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ میں بہت مزے  
میں ہوں۔“ وہب نے کمال بے نیازی سے جواب دیا  
”نہیں۔ تم بیمار ہو۔ تمہیں علاج کی ضرورت ہے۔“  
— کسی عزیز نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔



ایک بدکردار شخص نے اس کا مذاق اُڑانے کو شرارت سے کہا : —

”اے وہب ! — کیا تو نے کبھی شیطان کو دیکھا ہے —  
— میرا بہت جی چاہتا ہے کہ میں شیطان کو دیکھوں —“  
”تیری یہ خواہش تو بڑی آسانی سے پوری ہو سکتی ہے“ — وہب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”وہ کس طرح“ — ؟؟ اس شخص نے پوچھا۔  
”تیرے گھر میں آئینہ تو ہوگا — اگر نہیں تو صاف پانی میں دیکھ لینا — تجھے شیطان کی زیارت ہو جائے گی“ — اس شخص کو بھاگتے ہی بن پڑی۔

اُن ہی دنوں امیر کوفہ اسحاق بن محمد صباح کے یہاں لڑکی کی ولادت ہوئی — پتہ چلا کہ وہ لڑکی کی پیدائش پر بہت رنجیدہ ہے۔ کسی سے نہیں ملتا۔ نہ ہی مبارکباد وصول کرتا ہے۔ وہب کو خبر ہوئی تو وہ اپنی گدڑی شانے پہ ڈالے اس کے یہاں پہنچا اور بولا : —

”اے اسحاق ! میں نے سنا ہے کہ تو لڑکی کی پیدائش پر بہت افسردہ ہے — نہ کھاتا ہے — نہ پیتا ہے —“  
”کیا کروں — دل ہی نہیں چاہتا“ — وہ ٹھنڈی سانس

تیکے پر چین کی نیند سوتا تھا۔  
وہ بچوں کا سب سے زیادہ دوست تھا — ان کی معصومیت اور منچلا پن اسے بھاتے تھے۔ وہ پہروں ان کے ساتھ بچکانہ حرکتیں کرنے میں مصروف رہتا اور کھیل کود میں انھیں کام کی باتیں بتاتا — کوئی راہ گیر اسے مخاطب کر لیتا یا کوئی جاننے والا اس سے پوچھتا : —

”وہب ! تم نے یہ کیا حالت بنالی ہے —؟“  
تو وہ بڑی شگفتگی سے کوئی ایسی پہلو در بات کہہ دیتا — جو مخاطب کو محفوظ کرتی — لیکن بے معنی نہیں ہوتی تھی — غور کرنے پر اس میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ نظر آتی تھی۔

اس عالم دیوانگی میں پورا شہر اس کی دسترس میں تھا — وہ اپنے من کی موج میں جہاں چاہتا پہنچ جاتا اور جس کو چاہتا اپنے شگفتہ لفظوں میں آئینہ دکھا دیتا — عوام مشکل میں ہوتے تو ہنسی ہنسی میں ان کا مسئلہ حل کر دیتا — اور اگر خواص حدود سے تجاوز کرتے تو باتوں باتوں میں انھیں لگام دے دیتا۔ اس کی بذلہ سنجی میں چھپی ہوئی ذہانت اور دانشمندی آہستہ آہستہ لوگوں کو قائل کرنے لگی۔



بھڑک کر بولا۔ ”مجھے بیٹے کی بڑی آرزو تھی۔ مگر افسوس کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لڑکی دے دی۔“  
 ”کمال ہے۔“ وہب نے بے ساختہ کہا۔ ”تو اس پر راضی نہیں کہ اللہ نے تجھے صحیح و سالم بیٹی دی ہے۔ اگر وہ تجھے مجھ جیسا پاگل بیٹا دے دیتا تو پھر۔“  
 اسحاق کو اس کی بے ساختگی پر ہنسی آگئی۔ لیکن وہ اس کی تہ میں چھپی ہوئی حکمت کو جان گیا اور خدا کا شکر بجالایا۔ اپنا سوگ توڑا اور لوگوں کو اجازت دی کہ وہ اس کے پاس تبریک پیش کرنے کے لیے آئیں۔

○  
 وہ گلیوں اور بازاروں میں اپنے معصوم ساتھیوں کے ساتھ چھلیں کرتا پھرتا۔ کہیں کوئی غیر معمولی بات دیکھتا۔ تو وہیں ٹک جاتا اور اپنی بذلہ سنجی سے لوگوں کو ہنسنے، مسکراتے پر مجبور کر دیتا۔  
 ایک روز وہ اپنے شریر ساتھیوں کے ساتھ بھاگا جا رہا تھا کہ اس نے سر بازار ایک جمع لگا ہوا دیکھا۔ اس نے اپنی چھڑی کھٹکھٹائی۔ لوگوں کے کندھے دبائے۔ کسی کی بغل میں جھانکا۔ کسی کو پرے ہٹایا اور ہجوم کے درمیان سر جانکا لا۔  
 لوگوں نے اسے دھکے دیے۔ بُرا بھلا کہا۔ لیکن اس نے پروا نہیں کی۔ دیکھا کہ شہر کا داروغہ ایک عجیب دعویٰ کر رہا ہے۔  
 ”اے لوگو! میری بات غور سے سُنو۔ میں ایک ایسا ہوشیار آدمی ہوں کہ مجھے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔“

○  
 وہ اپنی دیوانگی کے باوجود نماز کے وقت مسجد میں پہنچ جاتا تھا۔ ایک روز ابھی اس نے جوتے نہیں اتارے تھے کہ اس نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اس تاک میں ہے کہ اس کے جوتے چرائے۔ وہب بہت دیر اس انتظار میں رہا کہ وہ شخص ادھر ادھر ہو۔ تو وہ اپنے جوتے اتار کر نماز میں شامل ہو۔ مگر وہ نہیں ٹلا اور نماز کے لیے صفیں درست ہو گئیں۔  
 وہب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ دوڑ کر آگے بڑھا اور جوتوں سمیت ہی نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس شخص نے

○  
 وہب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ دوڑ کر آگے بڑھا اور جوتوں سمیت ہی نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس شخص نے



”بیشک! بیشک! —!! داروغہ جی! آپ بالکل درست فرماتے ہیں۔“

”مَرَجَبَا — مَرَجَبَا — کیا کہنے —!!! داروغہ کا دعویٰ بالکل حق ہے۔“

”کسی کی کیا مجال کہ داروغہ صاحب کو دھوکا دے سکے۔“ مجمع میں سے اس کے خوشامدی بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگے۔ ہر طرف سے داد و تحسین کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔

وہب نے اپنی چھڑی زمین پر زور سے مار کر انھیں اپنی طرف متوجہ کیا اور بولا — ”داروغہ جی! مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت ہے۔“

”اچھا۔ تو تم بھی بولو گے۔“ بولو۔ کیا کہتے ہو؟ اس نے نخوت سے کہا۔

وہب نے سنجیدگی سے کہا — ”داروغہ جی! گستاخی معاف! یہ دیوانہ آپ کے اس دعوے کو چٹکیوں میں باطل کر سکتا ہے۔ مگر یہ کوئی ایسا مفید کام نہیں، جس پر وقت ضائع کیا جائے۔“

”اس کی صورت دیکھو ذرا۔ اور اس کا دعویٰ دیکھو۔“ کسی نے تمسخر سے کہا۔

”او دیوانے — داروغہ صاحب کی عقل کے سامنے بھلا تیری کیا حقیقت ہے؟“ — کسی اور نے آوازہ کسا۔

داروغہ نے مونچھوں کو تاؤ دیا — ”ہاں — ہاں — تم جیسا پاگل تو مجھے ضرور دھوکا دے سکتا ہے۔“

”میں پاگل ہوں یا کچھ۔ اگر مجھے اس وقت ایک ضروری کام نہ ہوتا تو میں آپ کو اسی وقت ایسا بھانسا دیتا کہ آپ اور آپ کے یہ چچے ہمیشہ یاد رکھتے۔“

”بڑی اونچی ہواؤں میں ہومیاں دیوانے۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ میں یہیں بیٹھا ہوں۔ تم اپنا کام کر کے واپس آؤ اور اپنے دعوے کو ثابت کرو۔“ داروغہ نے ڈٹ کر کہا۔

وہب نے اپنی چھڑی سنبھالی اور عجلت میں یہ کہتا ہوا مڑا — ”داروغہ صاحب! اب اپنے وعدے سے پھر

مت جائیے گا۔ یہیں میرا انتظار کیجیے گا۔ بس گیا اور آیا۔“ وہ جس طرح مجمع میں آیا تھا، اسی طرح باہر نکل گیا۔

داروغہ پھر اپنی شیخی بگھارنے میں مصروف ہو گیا۔ اس کے خوشامدی بڑھ بڑھ کر داد دینے لگے۔ کافی وقت گزر گیا۔

داروغہ بے چین ہوا — ”کافی دیر ہو گئی ہے اور وہ دیوانہ پلٹ کر نہیں آیا۔“



ہوش رہا تھا تو نے عوام کو اس کے قریب کر دیا — وہ نہ کسی کو ستاتا تھا، نہ پریشان کرتا تھا اور نہ نقصان پہنچاتا تھا، البتہ اپنے جنون میں اپنی دانشمندی کو چھپائے ہر وقت لوگوں کی مدد کرنے کو تیار رہتا تھا۔

جلد ہی وہ بغداد کا ایک ایسا پسندیدہ کردار بن گیا کہ لوگ اس کے گرویدہ ہو گئے اور محبت سے اسے بہلول کہنے لگے — جس کے معنی ہیں ہنس مکھ، خوب صورت اور نیکیوں کا مجموعہ۔

بہلول کا لفظ عموماً چٹکے باز، حاضر جواب اور سچے لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے — رفتہ رفتہ یہ نام یوں زبان زد عام ہو گیا کہ اس کا اصل نام فراموش ہو گیا۔ اب کوئی بھی اُسے وہب نہیں کہتا تھا — وہ سب کے لیے بہلول تھا اور سب کا بہلول تھا — اس کی دانائی اور حکمت نے اسے ایک پاگل اور دیوانے سے بڑھ کر عاقل و دانا مشہور کر دیا تھا۔



ہارون رشید تک یہ خبریں متواتر پہنچ رہی تھیں کہ اس کا رشتہ دار وہب بن عمرو دیوانہ ہو گیا ہے — اس نے دنیا کی

لوگوں نے بھی محسوس کیا کہ وقت گزرتا جا رہا ہے اور وہب کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں — مگر انھوں نے داروغہ کو تسلی دینے کی کوشش کی — ”داروغہ جی! وہ ہے بھی تو دیوانہ — راہ میں کہیں بچوں کے ساتھ کھیل میں لگ گیا ہوگا“ —

کچھ اور وقت گزرا — لیکن وہب واپس نہیں آیا — مجمع میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں — آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہونے لگے — کچھ ہونٹوں پر مسکراہٹیں بھی نمودار ہوئیں — بعض لوگ اکتا کر گھروں کو جانے لگے — داروغہ کو بھی اندازہ ہو گیا کہ پاگل وہب اسے پاگل بنا کر چلا گیا ہے اور اب وہ پلٹ کر نہیں آئے گا — وہ نجل ہو کر بڑبڑایا : —  
”یہ پہلی بار ہے کہ مجھے کسی نے دھوکا دیا ہے“ —  
”اور وہ بھی ایک دیوانے نے“ — مجمع میں سے کسی نے بے ساختہ کہا تو قہقہوں سے فضا گونج اٹھی —

جلد ہی وہب کی اس بزدلہ سنجی، شوخی، ذہانت اور شگفتہ دانشمندی کا سارے شہر میں شہرہ ہو گیا۔ اس کی دیوانگی میں چھپی ہوئی فزائلی اور اس کے پاگل پن میں پوشیدہ



شان و شوکت سے مُنہ موڑ کر خاک نشینی اختیار کر لی ہے۔  
وہ اپنی گڈڑی میں مست ویرانے میں بیٹھا رُوکھی رُوکھی  
پر گزارہ کرتا ہے۔ مگر ہارون کو یقین نہیں آیا۔ اس نے  
صمیم صورت حال جاننے کے لیے اپنے مقربوں کو بلایا۔  
”کچھ وَہب بن عمرو کا حال کہو۔ ہم نے سنا ہے کہ وہ  
دیوانہ ہو گیا ہے۔“

”عالی جاہ۔ اب تو اسے وَہب کوئی بھی نہیں کہتا۔  
اب تو بچے بچے اسے بُہلول کہتا ہے۔“ ایک امیر نے اطلاع  
دی۔

”اچھا۔“ !!! ہارون نے دلچسپی سے پوچھا۔ ”یہ  
نیا خطاب اسے کس نے دیا ہے؟“

”ظَلّ الہی۔! وہ ہنس مکھ تو پہلے ہی تھا۔ دیوانگی  
نے اسے کچھ اور بھی خوش طبع بنا دیا ہے۔ اب تو وہ بعض  
اوقات مسخروں کی سی حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ لوگوں کو ہنساتا  
اور خوش کرتا ہے۔ اس لیے سب اسے بُہلول کہنے لگے ہیں۔“  
— امیر نے وضاحت کی۔

”ہمیں؟“ !!! ہارون نے غور کرتے ہوئے کہا۔ ”اسے  
کسی طبیب کو دکھایا ہے تاکہ اس کا کچھ علاج ہو جائے۔“  
”عالی جاہ۔! اس کے گھر والوں نے بہت کوشش کی ہے

لیکن وہ کسی طرح رضا مند نہیں ہوتا۔“ وزیر نے جواب دیا۔  
”کھاتا پیتا کہاں سے ہے اور دن بھر کیا کرتا رہتا ہے؟“  
— ہارون نے استفسار کیا۔

”اس کے عزیز اسے کھانا پہنچاتے تو ہیں۔ مگر وہ  
صرف رُوکھی رُوکھی پر ہی گزارا کرتا ہے۔ بعض اوقات خود  
بھی مزدوری کر لیتا ہے۔ اس نے ایک کھنڈر میں ڈیرہ  
جما رکھا ہے۔ دن بھر لڑکوں بالوں کے ساتھ دوڑتا پھرتا  
ہے۔ کبھی کبھی خوب مسخرہ پن کرتا ہے۔ جس سے محض ایک  
پاگل نظر آتا ہے۔ مگر بعض اوقات ایسی پتے کی بات کہہ  
جاتا ہے۔ کہ سُننے والے دنگ رہ جاتے ہیں۔“ وزیر نے  
تفصیل سے جواب دیا۔

”حضور اگر اجازت دیں۔ تو میں عرض کروں کہ اس  
نے کل کیا کیا ہے۔“ ایک درباری نے مؤدب لہجے میں  
پوچھا۔

”اجازت ہے۔“ ہارون نے اجازت دی۔  
”کل بغداد کے بڑے بازار میں ایک فقیر نانباتی کی  
دکان کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ اس نے انواع و اقسام کے  
کھانے چوہوں پر چڑھا رکھے تھے۔ جس سے بھاپ نکل رہی  
تھی۔ ان کھانوں کی خوشبو ان کی لذت کا پتہ دے رہی تھی



اور ارد گرد گزرنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔  
 ”بچارے فقیر کا دل بھی للچایا — لیکن غریب کی گرہ  
 میں مال کہاں تھا۔ جو ان کھانوں کی لذت خرید سکتا —  
 مگر وہاں سے ہٹنے کو بھی اس کا دل نہیں چاہتا تھا —  
 کھانوں کی خوشبو اس کی جھوک بڑھا رہی تھی۔ بالآخر اس  
 نے اپنے تھیلے میں سے سوکھی روٹی نکالی اور کھانے کی دیگ  
 کی بھاپ سے اسے نرم کر کے کھانے لگا، جس میں کھانے کی  
 خوشبو بسی ہوئی تھی۔

نانبائی چپ چاپ یہ تماشا دیکھتا رہا۔ جب فقیر کی  
 روٹی ختم ہو گئی اور وہ چلنے لگا — تو نانبائی نے اس کا راستا  
 روک لیا — ”کیوں او مسٹنڈے — کہاں بھاگا جاتا ہے  
 — لا میرے پیسے نکال —“

”کون سے پیسے —“ فقیر نے ہک دک ہو کر پوچھا۔  
 ”اچھا —!!! کون سے پیسے —“ اس نے لفظ چبا کر  
 اگلے — ”ابھی جو تو نے میرے کھانے کی بھاپ کے ساتھ روٹی  
 کھائی ہے — وہ کیا تیرے باپ کی تھی — اس کی قیمت کون  
 چکائے گا —“

”عجیب انسان ہو تم — وہ بھاپ تو اڑ کر ہو میں مل  
 رہی تھی — اگر میں نے اس کے ساتھ روٹی کھا کر خود کو بہلانے

کی کوشش کی ہے تو اس میں تیرا کیا چلا گیا ہے جس کی میں  
 قیمت ادا کروں —“ فقیر نے پریشان ہو کر کہا —  
 ”بس — بس —!!! اب ادھر ادھر کی باتیں مت کر  
 — میں تیری جان ہرگز نہیں چھوڑوں گا — میں اپنا مال  
 وصول کر کے رہوں گا —“ نانبائی نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔  
 فقیر بچارا پریشان ہو گیا کہ اس ہٹے کٹے نانبائی سے کس  
 طرح جان چھڑائے۔ ان کی تکرار بڑھتی جا رہی تھی۔ کہ بھول  
 ادھر سے گزرا اور ان کے قریب رک کر ان کی باتیں سننے لگا  
 فقیر نے اپنا ہمدرد سمجھ کر ساری بات اسے سنائی۔ تو وہ نانبائی  
 سے بولا — ”بھائی! یہ تو بتاؤ کہ کیا اس غریب آدمی نے تمہارا  
 کھانا کھایا ہے —“

”نہیں — کھانا تو نہیں کھایا — مگر میرے کھانے کی  
 بھاپ سے فائدہ تو اٹھایا ہے — میں نے اسی کی قیمت  
 مانگی ہے — لیکن اس کی سمجھ میں یہ بات ہی نہیں آتی —  
 نانبائی نے بتایا۔

”بالکل درست کہہ رہے ہو برادر — بالکل درست —“  
 بھول نے سر ہلایا اور اپنی جیب سے مٹھی بھر سکے نکالے۔  
 وہ ایک ایک کر کے ان سکوں کو زمین پر گراتا جاتا اور کہتا جاتا —  
 ”نانبائی — نانبائی — یہ لے پیسوں کی آواز پکڑ لے — یہ لے



کہاں سے سونے کا ایک سکہ پایا تھا۔ وہ اس کے ساتھ بچوں کی طرح کھیل رہا تھا۔ کبھی وہ اس کو انگلی پر نچاتا تھا۔ کبھی ریت سے صاف کرتا اور کبھی پہیے کی طرح گھماتا۔ ایک نو سرباز اس کا یہ کھیل دیکھ رہا تھا۔ اس نے اسے پاگل سمجھ کر کہا۔ ”تمہیں اس ایک سکہ سے کھیلنے میں مزہ تو نہیں آ رہا ہوگا۔ تم یہ سکہ مجھے دے دو۔ میں اس کے بدلے میں تمہیں دس سکہ دوں گا۔“ اس نے جیب سے سکہ نکال کر بھلّوں کو دکھائے۔

”ٹھیک ہے۔ میں یہ سکہ تمہیں ابھی دے دیتا ہوں مگر ایک شرط پر۔“ بھلّوں نے کہا۔ ”وہ کیا۔“ ”نو سرباز نے پوچھا۔ ”پہلے تو گدھے کی طرح ڈھینچوں ڈھینچوں کی آواز نکال۔“ بھلّوں نے شرط رکھی۔

اس دھوکے باز نے سوچا کہ اس دیوانے کے سامنے گدھے کی آواز نکالنے میں کیا حرج ہے۔ اس لیے وہ شروع ہو گیا اور گدھے کی طرح رینگنے لگا۔ بھلّوں ہنسنا۔ ”عجب گدھے ہو بھی تم۔ کہ تم نے میرے سونے کے سکہ کو فوراً پہچان لیا اور میں گدھا بھی نہیں۔ تو بھلا میں تمہارے تانبے کے سکہ کیوں نہ پہچانتا۔“

اپنے کھانے کی بھاپ کی قیمت! ان سکّوں کی کھنک میں صول کر لے۔ لے لے۔ لے لے۔ یہ سکّوں کی آواز تیرے کھانے کی خوشبو کی قیمت ہے۔ اسے اپنے گلک میں ڈال لے۔“ ارد گرد کھڑے ہوئے لوگ ہنس ہنس کر دوہرے ہو گئے۔ ”نانبائی اپنی خفّت مٹانے کو بولا۔“ ”یہ پیسے دینے کا کون سا طریقہ ہے۔“

بھلّوں نے جواب دیا۔ ”اگر تو اپنے کھانے کی بھاپ اور خوشبو بیچے گا۔ تو اس کی قیمت تجھے سکّوں کی آواز کی صورت میں ہی ادا کی جائے گی۔“

”بہت خوب“ !!! ہارون محفوظ ہو کر ہنسنا۔ ”واللہ یہ کسی دیوانے کا فیصلہ تو معلوم نہیں ہوتا۔ اس میں تو غیر معمولی دانش چھپی ہوئی ہے۔ لگتا ہے کہ اس کی یوانگی نے اس کی دانش کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا۔“

”عالی جاہ۔“ بجا فرماتے ہیں۔ بھلّوں حرکتیں تو پاگلوں کی سی کرتا ہے۔ مگر اس کی باتوں میں اس کی دانش بولتی ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک واقعہ حضور کی سماعت کی نذر کروں۔“ ایک دوسرے درباری نے کہا۔ ”اجازت ہے۔“ ہارون نے اذن دیا۔

”ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ اس نے نہ جانے



وہ نوسرباز بچارا اس قدر شرمندہ ہوا کہ اُسے بھاگتے ہی بنی۔  
ہارون کو بھی ہنسی آگئی اور بولا — ”شوخی تو خیر  
اس کی طبیعت میں شروع ہی سے بہت ہے۔ ہمیں اس کے باسے  
میں کچھ اور بھی بتاؤ تاکہ ہم جان سکیں کہ اس کی دیوانگی کس  
منزل پر ہے۔“

”ظَلِّ سُبْحَانِ —!! اجازت ہو تو میں بیان کروں۔“  
ایک درباری نے ادب سے پوچھا۔

”بیان کرو۔“ ہارون نے اجازت دی۔

”حضور —!!! ابھی کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے کہ اس  
نے ایک عجیب فیصلہ کیا اور وہ بھی اس طرح کہ قاضی کو اس  
کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔“

”ہو! اس طرح کہ بھلّوں نے راہ چلتے دو بچوں کو روتے  
اور فریاد کرتے دیکھا۔ وہ ان کے پاس رُک گیا اور ان کے سر  
پر ہاتھ پھیر کر بولا۔“

”بچو — تم کیوں پریشان ہو؟“  
بڑا لڑکا بولا — ”ہم فلاں شخص کے بیٹے ہیں۔ ہمارا  
باپ حج کو گیا تھا۔ اس نے چلنے سے پہلے ایک ہزار اشرفی  
قاضی کے پاس بطور امانت رکھوائی تھی اور کہا تھا کہ زندگی موت  
کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اگر میں سفر حج سے واپس نہ آیا۔ تو تم  
میرے بچوں کو اس میں سے جو تمہارا دل چاہے دے دینا اور

اگر خدا مجھے واپس لے آیا۔ تو میں اپنی امانت تم سے واپس  
لے لوں گا۔ مگر افسوس کہ قضا اس کی تاک میں تھی۔  
راستے میں اس کا انتقال ہو گیا۔ ہم یتیم اور بے آسرا ہو گئے  
ہم نے اپنے باپ کی امانت قاضی سے مانگی۔ تو وہ کہنے لگا  
کہ۔ تمہارے باپ نے میرے ساتھ جو قول کیا تھا۔ اس کے  
مطابق میں جو میرا دل چاہے گا۔ وہ تمہیں دوں گا۔  
اس لیے یہ سوا اشرفیاں لے جانا چاہو۔ تو لے لو۔ اس نے  
ان لوگوں کی گواہی بھی پیش کر دی ہے۔ جن کے سامنے  
یہ قول ہوا تھا۔ ہم لوگ بہت پریشان ہیں۔ یتیمی میں  
ہمارا کوئی آسرا نہیں۔“

بھلّوں نے اُن کے سر پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ ”بیٹا!  
پریشان نہ ہو۔ اپنے آنسو پونچھ لو اور میرے ساتھ چلو۔  
میں خود قاضی سے بات کرتا ہوں۔“

وہ لڑکے اس کے ساتھ چل پڑے۔ بھلّوں انھیں  
لے کر قاضی کے پاس آیا اور بولا۔ ”اے قاضی۔ تو ان  
یتیم بچوں کا حق انھیں کیوں نہیں دیتا۔“

”اچھا۔ تو یہ چالاک لڑکے اب تمہیں اپنا حمایتی  
بنا کر لائے ہیں۔ حالانکہ ان کے باپ نے کتنی لوگوں کے  
سامنے مجھے یہ اختیار دیا تھا کہ میں جو کچھ چاہوں انھیں



دے دوں۔ اب میں سواشرفیاں انھیں دیتا ہوں۔  
تو یہ لینے سے انکار کرتے ہیں اور مجھے خواخوہ شہر بھر میں  
بدنام کرتے پھرتے ہیں۔“ قاضی نے ٹھاٹھ سے جواب دیا۔  
بُھلّوں نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ”قاضی جی!۔  
آپ نے بالکل درست فرمایا ہے۔ یہ قول ضرور ہوا ہے۔  
لیکن اس قول سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ جو چاہتے  
ہیں وہ نوسواشرفیاں ہیں اور یہی ان بچوں کے مرحوم  
باپ نے کہا تھا کہ جو آپ کا دل چاہے وہ آپ اس کے بچوں  
کو دے دیں۔ تو قبلہ قاضی صاحب۔! چونکہ آپ نوسو  
اشرفیاں چاہتے ہیں۔ اس لیے یہی اس کے بچوں کو دے دیں۔“  
قاضی تو انگشت بدنداں بُھلّوں کا مُنہ تکتا رہ گیا۔  
حاضرین نے بُھلّوں کی تائید کی اور اسے ان یتیم بچوں کا حق  
دیتے ہی بنی۔“

”اچھا۔ تو اس نے شہر کے قاضی کو عاجز کر دیا اور  
کہلاتا دیوانہ ہے۔“ ہارون رشید نے زور دے کر کہا۔  
”عالی جاہ۔! وہ پاگلوں کی سی حرکتیں بھی کرتا ہے  
۔ کبھی اپنے عصا کو گھوڑا بنا کر اس پر سواری کرتا ہے۔  
کبھی بچوں کے ساتھ مل کر مٹی سے کھیلتا ہے۔ ریت کے  
گھروندے بناتا ہے۔ ہاں نماز کے وقت مسجد میں پہنچ جاتا،

ابھی پچھلے جمعے کو اس نے ایک ایسا شگوفہ چھوڑا کہ ہنس  
ہنس کر نمازیوں کے پیٹ میں بل پڑ گئے۔“ وزیر نے بتایا۔  
”بیان کرو وہ کیا بات ہے۔“ ہارون نے کہا۔

”گزشتہ جمعے کو وہ نماز پڑھنے مسجد میں آیا۔ تو غالباً  
چوری کے ڈر سے اس نے اپنے جوتے ایک کپڑے میں باندھ  
کر اپنی عبا میں چھپا لیے۔ یہاں کے مقامی لوگ تو بُھلّوں  
کو جانتے ہیں۔ ایک ایسا شخص جو اسے پہچانتا نہیں تھا۔  
اس نے اسے بغل میں کوئی شے دابے ہوتے دیکھ کر کہا۔  
”معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے پاس کوئی قیمتی کتاب ہے۔  
جسے آپ نے اتنی حفاظت سے رکھا ہوا ہے۔“

بُھلّوں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”آپ نے  
درست اندازہ لگایا۔ بہت قیمتی کتاب ہے۔“

اس شخص نے پوچھا۔ ”کیا آپ بتانا پسند فرمائیں گے  
کہ یہ کون سی کتاب ہے۔“

”جی ہاں۔ کیوں نہیں۔ یہ فلسفے کی کتاب ہے۔“  
بُھلّوں نے بتایا۔

”فلسفے کی کتاب۔ سُبْحَانَ اللہ۔!! آپ نے کس  
کتب فروش سے خریدی ہے۔“

”جواب! یہ میں نے ایک موچی سے خریدی ہے۔“



ویران کھنڈر میں تھا۔ جو اس کا بسیرا تھا۔ نہ ہی قبرستان میں جہاں وہ اکثر و بیشتر کسی سوچ میں مُستغرق بیٹھا رہتا تھا۔ کسی نے بتایا کہ وہ مسجد کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔“

کارندہ بھی مسجد کی سمت چل پڑا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ اس نے دیکھا کہ بُہلول اپنے جوتے ہاتھ میں پکڑے۔ چھڑی بغل میں دباوے۔ گرتا پڑتا مسجد سے باہر نکلا اور جس طرف اس کا منہ اٹھا۔ سرپٹ بھاگتا چلا گیا۔ اُس کے پیچھے اک شور بلند ہوا۔ ”لینا۔ پکڑنا۔ دیکھو جانے نہ پائے۔۔۔۔۔ پکڑو۔ پکڑو۔ اس دیوانے کو پکڑو۔۔۔ اس گستاخ کی خبر لو“۔ کچھ نوجوان طالب علم مسجد سے نکلے اور داویلا کرتے بُہلول کا پیچھا کرنے لگے۔ بُہلول اپنی ہی عبا میں اُلجھتا۔ چھڑی کو سنبھالتا۔ جوتوں کو بغل میں دباتا۔ مُڑمُڑ کر دیکھتا۔ ان کی پہنچ سے دُور نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن بالآخر ان نوجوانوں کی سُبک رقتاری نے اس کو جالیا۔ وہ اس کی ٹھکانائی کرنے لگے۔ ”او گستاخ۔۔۔ تیری یہ جُرأت کہ تو نے ہمارے اُستاد کو مٹی کا ڈھیلا مارا۔ ہم تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ہم تیری جان لے لیں گے۔ گنوار دیوانے۔۔۔“

بُہلول نے مزے سے جواب دیا۔ جو لوگ اس کی حرکتوں سے واقف تھے۔ انہیں ہنسی ضبط کرنی محال ہو گئی۔ ہارون بھی مُسکرایا۔ ”تو موصوف کی دیوانگی۔ فزائل کو شرماتی ہے۔ ہمیں اس کی اس روش پر شک ہے۔ کہیں یہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول تو نہیں جھونک رہا۔“ ”آپ نے بجا فرمایا اعلیٰ حضرت۔! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین عقل و دانش سے نوازا ہے۔ یہ خیال آپ کے ہی ذہن رسا میں آسکتا تھا۔“ کسی خوشامدی نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔

”تم سب نمک حرام ہو۔ لگتا ہے کہ وہ کوئی سازش کر رہا ہے اور تم لوگوں کو کچھ خبر ہی نہیں۔ اس کے بارے میں فوراً پتہ چلاؤ کہ اس کی دیوانگی کسے پس پردہ کون سے مقاصد پوشیدہ ہیں اور اسے کل دربار میں طلب کرو۔ ورنہ تم سب کی گردن مار دی جائے گی۔“ ہارون نے جلال شاہی سے حکم جاری کیا اور دربار برخواست ہو گیا۔



خليفة کا ایک کارندہ فوراً ہی بُہلول کی تلاش میں روانہ کر دیا گیا۔ بُہلول اُسے کہیں بھی نہیں ملا۔ نہ وہ اس



”ہاں — ہاں — میں نے اس کو مارا ہے — میں کب انکار کرتا ہوں — لیکن اُسے لگا کہاں ہے — ؟ اگر اسے لگا بھی ہے — تو اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی — تم خواجواہ شور مچا رہے ہو — ہٹو پیچھے — چھوڑو مجھے —“ بھلّوں دہائی دینے لگا۔

ہارون کا کارندہ دوڑ کر قریب پہنچا اور بیچ بچاؤ کرتے ہوئے بولا — ”بھائیو ! — تم لوگ کیوں اس پگلے کے پیچھے پڑے ہو — کچھ انصاف سے کام لو — تم لوگ اتنے سارے ہو اور یہ اکیلا — آخر ہوا کیا ہے —“ ؟ ؟  
”یہ پوچھیں کہ کیا نہیں ہوا — اس دیوانے نے ہمارے اُستادِ محترم امام ابوحنیفہؒ کو مٹی کا ڈھیلا کھینچ مارا — جو ان کی پیشانی پر لگا — ہم اس کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے“ وہ پھر بھلّوں کے گرد ہو گئے۔

ہارون کے کارندے نے انھیں روک دیا — ”مگر ہوا کیا تھا — کیا ان کے ساتھ بھلّوں کا کوئی جھگڑا ہوا تھا“ — ایک طالب علم بولا : — ”کیا بات کر رہے ہیں آپ ؟ ہمارے اُستادِ محترم کی شان اس سے بالاتر ہے کہ وہ اس جیسے کے ساتھ جھگڑا کریں — وہ تو ہمیں معمول کے مطابق درس دے رہے تھے — کہ یہ کم بخت نہ جانے کہاں سے نمودار

ہو گیا اور ان کی پیشانی پر ڈھیلا کھینچ مارا — آپ درمیان سے ہٹ جاتیں — یہ پاگل ہے یا دیوانہ — آج تو ہم اس کو ایسا سبق سکھا کر چھوڑیں گے کہ سارا پاگل پن بھول جائیگا — ایک لڑکے نے اپنی بات ختم کر کے پھر بھلّوں کی طرف دیکھ کر دانت کچا کچائے۔

”کیوں بھلّوں — ! کیا یہ لڑکے ٹھیک کہہ رہے ہیں ؟“ کارندے نے بھلّوں سے پوچھا۔  
”ہاں — میں نے اس کو مارا ہے — مگر اسے لگا تو نہیں — نہ ہی اسے کوئی تکلیف ہوتی ہے — پوچھ لو اس سے — میرے پیچھے کیوں پڑے ہو“ — بھلّوں نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔

”دیکھیں آپ نے اس کی ڈھٹائی — اُستادِ محترم پیشانی پکڑے بیٹھے ہیں اور یہ کہتا ہے کہ انھیں ڈھیلا لگا ہی نہیں — میں ابھی اس کا دماغ درست کرتا ہوں“ — وہ طالب علم پھر بھلّوں پر جھپٹا۔

ہارون کے کارندے نے اس کا بازو پکڑ لیا — ”بات سنو لڑکے — ! سب جانتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے — پھر خلیفہ کا رشتہ دار بھی ہے — تم اسے مار کر قانون کو ہاتھ میں نہ لو — اسے قاضی کے پاس لے جاؤ — وہی صحیح فیصلہ



کرے گا۔“

بات لڑکوں کی سمجھ میں آگئی۔ وہ بھلّوں کو پکڑ کر قاضی کے پاس لے گئے اور اسے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ تو بھلّوں بولا۔ ”ذرا اپنے اُستادِ مُحَرَّم کو بھی تو بلا لاؤ۔“ مَدّعی کے بغیر تم دعویٰ کس طرح پیش کر سکتے ہو؟“

”بھلّوں درست کہتا ہے۔ تم اپنے اُستاد کو بلا لاؤ۔“

— کیونکہ مَدّعی تو وہی ہیں۔ پھر ہم دیکھ بھی لیں گے کہ ضرب کتنی شدید ہے۔“ قاضی نے حکم دیا۔

طالب علم گھٹے اور امام ابو حنیفہ کو بلالائے۔ بھلّوں نے قاضی سے کہا۔ ”قاضی جی۔“ کیا میں ان لڑکوں کے اُستادِ مُحَرَّم سے بات کر سکتا ہوں۔“

”ہاں شوق سے۔“ قاضی نے اجازت دی۔

بھلّوں نے انھیں مخاطب کیا۔ ”میرے عزیز۔!!“

میں نے تجھ پر کون سا ظلم کیا ہے۔“

”عجیب مسخرے ہو تم۔ ابھی تم نے سب کے سامنے میری پیشانی پر مٹی کا ڈھیلا نہیں مارا۔“ ابو حنیفہ نے غصے سے کہا۔

”تو بھائی۔ اس سے تجھے کیا فرق پڑا۔ تو بھی مٹی سے بنا ہے اور وہ ڈھیلا بھی مٹی کا تھا۔ ابھی تو خود ہی تو

اپنے شاگردوں کو سمجھا رہا تھا کہ امام جعفر صادقؑ جو یہ فرماتے ہیں کہ اِنْبِیَس کو جہنّم کا عذاب دیا جاتے گا، وہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ شیطان ناری مخلوق ہے۔ وہ آگ سے بنا ہے۔ اور اس کو آگ بھلا کیا تکلیف پہنچاتے گی۔ تو بھی خاکی ہے اور مٹی سے بنا ہے پھر بھلا مٹی کے ڈھیلے نے تجھے کیا تکلیف پہنچائی۔“

”فضول باتیں مت کرو۔ تم نے وہ ڈھیلا اتنی نور سے مارا ہے کہ میری پیشانی اور سر میں درد ہو رہا ہے۔“

— ابو حنیفہ نے ناگواری سے کہا۔

”آپ بھی غلط بیانی نہ کریں اعلیٰ حضرت۔! اگر آپ کی پیشانی میں درد ہے۔ تو وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا۔“

— بھلّوں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

”ادھو۔ کس احمق سے پالا پڑا ہے۔ عقلمند آدمی۔ کیا کبھی درد بھی کسی کو نظر آیا ہے۔“

— ابو حنیفہ نے ناپسندیدگی سے جواب دیا۔

”قبلہ اُستاد صاحب۔! ابھی تو آپ اپنے شاگردوں سے فرما رہے تھے۔ کہ امام جعفر صادقؑ جو فرماتے ہیں کہ خدا کو دیکھنا ممکن نہیں۔ میں اس بات کو نہیں مانتا۔ بھلا جو چیز موجود ہے۔ اسے نظر آنا چاہیے۔ اس لیے خدا کو دیکھنا ممکن



ہے۔ تو اگر آپ کے سر مبارک میں درد ہو رہا ہے۔ تو اسے ہمیں بھی دکھائیے۔“ بھلّوں نے شگفتگی سے کہا۔  
 أَبُو حَنِيفَةَ رَزَقَ ہو گئے اور قاضی سے بولے۔ ”قاضی صاحب۔ یہ دیوانہ تو یوں ہی ادھر ادھر کی ہانک رہا ہے۔ اس نے سب کے سامنے مجھے پتھر مارا ہے۔ آپ گواہیاں لے کر اسے سزا دیں اور کارروائی ختم کریں۔“

”یا حضرت۔! اگر مجھ ناچیز نے آپ کو مٹی کا ڈھیلا مار بھی دیا ہے تو اس میں مجھ دیوانے کی کیا تقصیر۔؟ ابھی آپ ہی تو اپنے شاگردوں سے فرما رہے تھے کہ آپ کو امام جعفر صادق کے اس قول سے بھی اختلاف ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ”اچھا یا بُرا کام کرنے والا خود اس کا ذمہ دار ہے۔ اور اس کے لیے جواب دہ ہے۔“ جبکہ آپ فرماتے ہیں کہ ہر فعل اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور بندہ اس کا ذمہ دار نہیں۔ اس لحاظ سے ڈھیلا میں نے آپ کو نہیں مارا۔ یہ کام تو خدا نے مجھ سے کروایا ہے۔ اب بھلا میں اس کام کے لیے سزا کا مستحق کس طرح ٹھہرا۔ جو میں نے نہیں کیا۔ خدا قاضی صاحب آپ ہی انصاف کیجیے۔“

ابو حنیفہ لا جواب سے ہو گئے۔ قاضی جو دونوں کی دلچسپ بحث سے محظوظ ہو رہا تھا۔ بولا۔ ”بھلّوں نے

اپنا مقدمہ جیت لیا ہے۔“  
 بھلّوں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ پاؤں میں جوتے پہنے اور اپنی چھڑی سنبھال کر عدالت سے باہر نکل آیا۔ وہ اپنی دھن میں بڑبڑا رہا تھا۔ ”آل محمدؐ کی تکذیب کرنے والوں کو منہ کی کھانی پڑتی ہے۔ علوم اہلبیتؑ کو بھٹلانے والوں کے مُقَدَّر میں جیت نہیں۔“

ہارون کا کارندہ اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ اس نے دو ایک بار اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اپنی دھن میں مسّت چلتا چلا گیا اور اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ ہارون کا کارندہ کچھ فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب کرتا رہا۔ بھلّوں کبھی اپنے آپ سے باتیں کرنے لگتا۔ کہیں کھڑا ہو کر اپنی چھڑی سے زمین کریدتا۔ کہیں راہ چلتے بچوں کے سر پر ہاتھ پھیر کر کوئی مزاحیہ فقرہ کس دیتا۔ کہیں دیوار سے ٹیک لگا کر اپنے خیالوں میں مُسْتَعْرِق ہو جاتا۔

اسی طرح چلتے چلاتے آدھا دن بیت گیا۔ سورج نِصْفُ النَّہَارِ پر آگیا۔ بھلّوں اپنے کھنڈر میں داخل ہوا اور ٹوٹی ہوئی دیوار کے ساتھ کمر لگا کر سستانے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور فرشِ خاک پر ٹانگیں پسار لیں۔ کارندہ جو بہت دیر سے اس کے تعاقب میں تھا۔



آگیا۔ بھلّوں نے کھانے کا خوشنما خوان اٹھایا اور گتے کے سامنے رکھ دیا۔ گتا بے صبری سے منہ مارنے لگا۔

”اوہو ہوہو۔۔۔!!! خدا کی پناہ۔ بھلّوں یہ کیا کرتے ہو۔۔۔ خلیفہ کا کھانا تم نے کتے کے سامنے رکھ دیا ہے۔“ ملازم نے دہائی دی۔

”ہشت۔ چپ۔ چپ۔ خاموش رہو۔ منہ بند رکھو۔ اگر اس کتے نے سن لیا کہ یہ کھانا خلیفہ کا ہے۔ تو یہ بھی نہیں کھائے گا۔“

ملازم اپنی ہنسی نہیں روک سکا اور بولا۔ ”بھلّوں! تم بھی عجیب مسخرے ہو۔ میں تمہارے لیے خلیفہ کا یہ پیغام بھی لایا ہوں کہ کل انھوں نے تمہیں دربار میں طلب کیا ہے۔ بہتر ہے کہ تم کل خود ہی حاضر دربار ہو جانا۔“

بھلّوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ کارندہ واپس چلا گیا۔



اگلے روز بھلّوں کا رُخ ہارون کے محل کی جانب تھا۔ اس نے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن رکھے تھے۔ دوش پر گڈڑی تھی اور ہاتھ میں عصا۔ دربان کو معلوم تھا کہ وہ ہارون کا

اس نے سوچا کہ دن بیت چلا ہے۔ کھانے کا وقت ہے۔ لیکن بھلّوں نے کھانا نہیں کھایا۔ بہتر یہی ہے کہ وہ اس کے لیے کھانا لے آئے تاکہ اس سے بات کرنے کا بہانہ ہو جائے۔ اسے خود بھی بھوک لگی تھی۔ وہ بازار گیا۔ ایک منظم میں بیٹھ کر خود کھانا کھایا اور کچھ عمدہ کھانا خرید کر ایک خوشنما خوان میں رکھا اور بھلّوں کے کھنڈر میں واپس آگیا۔

بھلّوں اپنے آپ میں مگن نہ جانے خیالات کی کون سی گتھیاں سلجھا رہا تھا۔ ہارون کا کارندہ آگے بڑھا اور بھلّوں کو متوجہ کرنے کے لیے اطلاعی انداز میں کھنکرا۔ بھلّوں نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے سلام کیا۔

بھلّوں نے جواب دیا تو وہ بولا۔ ”جناب بھلّوں صاحب! خلیفہ ہارون نے آپ کے لیے یہ کھانا بھیجا ہے۔“ اس نے کھانے کا خوان اس کے نزدیک ہی رکھ دیا۔

بھلّوں ہنسا۔ ”واہ۔ واہ۔!! اسلامی مملکت کے بادشاہ مجھ جیسے کم حیثیت دیوانوں کا بھی خیال رکھنے لگے ہیں۔“

”خلیفہ ہارون کی رعایا پروری تو ضرب المثل ہے۔“ کارندے نے فوراً کہا۔

بھلّوں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا اور اس گتے کو چمکا رہا جو کھنڈر میں ایک جانب بیٹھا ہوا تھا۔ گتا دم ہلاتا قریب



رشتہ دار ہے اور اسے یارون نے طلب کیا ہے۔ اسی لیے اس نے اسے اندر جانے کی اجازت دے دی۔

وہ اپنی پھٹی ہوئی جوتیاں چُٹاتا۔ بڑی بے تکلفی سے اندر داخل ہو گیا۔ وہ راہداری میں سے گزرتا ہوا — دیوانِ خاص میں پہنچا — دیکھا کہ نہ کوئی نگہبان ہے — نہ پہریدار۔  
وزیروں امیروں کی کرسیاں بھی خالی پڑی ہیں — شاید ابھی دربار آراستہ نہیں ہوا تھا — وہ قیمتی قالین کو روندتا —  
بادشاہ کی مسند تک جا پہنچا — اور مزے سے اس پر براجمان ہو گیا۔  
ابھی اسے بیٹھے ہوئے چند لمحے بھی نہیں ہوئے تھے کہ

دربار کے پہرے دار دوڑتے ہوئے آئے۔ انھیں اطلاع ملی تھی کہ ہارون اسی طرف آ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ دنگ رہ گئے کہ بادشاہ کی زریں مسند پر بٹھلے پچھلے حالوں بیٹھا ہے۔ انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ بدحواسی میں آگے بڑھے۔ ایک نے بٹھلے کا بازو پکڑ کر کھینچا۔ دوسرے نے کوڑا بٹھلوں کی پشت پر رسید کیا۔

”اودیوانے۔! تیری یہ جرات کہ تو بادشاہ کی مسند پر بیٹھے۔ اتر نیچے۔“

”ہائے —!!! پھلوں نے تڑپ کر نعرہ مارا۔“ ہائے۔  
ہائے — اُف —!!! وہ دُہائی دینے لگا۔

”مُتنبہ بند کرو۔ شور مت مچاؤ۔ اُترو بادشاہ کی مُسند پر سے اُترو۔“ !! پہرے دار نے اس کی پُشت پر مسلسل کورے برساتے ہوئے دُرشتی سے کہا۔

دوسرے نے زور لگایا اور بھلّوں کو متشدد پر سے "میچ کر  
فرش پر گر دیا۔ بھلّوں سر پیٹنے لگا۔ "ہائے افسوس —  
صد افسوس — !! آہ — آہ — !! اُف — اُف — !!!  
وہ بلند آواز میں مسلسل روتا جا رہا تھا۔

پہرے داروں کی جان پہ بنی تھی۔ لیکن وہ کسی طرح خاموش ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

اسی وقت ہارون کی آمد کی اطلاع نقیبوں نے دی اور چند لمحوں بعد وہ دیوان خاص میں داخل ہوا۔ اس نے بہلول کو اس طرح روتے چلاتے اور فریاد کرتے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر بہلول کو فرش پر سے اٹھانا چاہا۔ لیکن وہ نہیں اٹھا اور اسی طرح روتے ہوئے۔ افسوس۔! افسوس۔!!! اور ہائے ہائے پکارتا رہا۔

”یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ہارون نے ڈانٹ کر پوچھا۔  
 ”عالی جاہ۔! یہ دیوانہ حضور کی مسند پر جا بیٹھا تھا اور  
 اُترنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اس لیے ہمیں تھوڑی سی سختی  
 کرنی پڑی۔“ — پھرے داروں نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔



”ہائے۔ یہ تھوڑی سی سختی تھی۔ ارے ظالمو۔!“  
تم نے تو کوڑوں سے میری پشت ادھیر کر رکھ دی ہے۔  
ہائے افسوس۔ اُف۔ اُف۔!! بھلّوں نے فریاد کرتے ہوئے  
انہیں ٹوکا۔

ہارون نے نگاہِ عتاب ان پر ڈالی۔ ”تم لوگ دیکھتے  
نہیں کہ یہ دیوانہ ہے۔“

پہرے دار آئیں باتیں شائیں کرنے لگے۔ ہارون نے  
بھلّوں کی دلجوئی کرتے ہوئے اسے فرش سے اٹھایا اور تسلی دی  
لیکن وہ مسلسل روتا جا رہا تھا۔

ہارون نے بڑی تشویش سے پوچھا۔ ”بھلّوں۔ اس  
طرح کیوں رو رہے ہو۔ کیا تمہیں بہت تکلیف پہنچی ہے۔“  
ہاں۔ مجھے بہت تکلیف پہنچی ہے۔ لیکن میں اپنے  
حال پر نہیں۔ تمہارے حال پر رو رہا ہوں۔ ہائے افسوس  
۔ ہائے افسوس۔!!! بھلّوں نے تأسّف سے کہا۔

”میرے حال پر۔“ ہارون کو تعجب ہوا۔  
ہاں۔ تمہارے حال پر۔ افسوس ہارون۔ تجھ پر کیا  
گزرتی ہوگی۔ میں تو تیری مسند پر صرف چند لمحے ہی بیٹھا  
ہوں۔ تو اتنی مار کھائی کہ ساری پشت چھلنی ہو گئی اور  
تو نہ جانے کب سے اس مسند پر بیٹھ رہا ہے۔ اُف۔

تجھے اپنے انجام کی کوئی فکر نہیں۔“  
ہارون لمحے بھر کو کانپ گیا۔ لیکن اس نے یوں ہی ظاہر  
کیا۔ جیسے اس کی بات نہیں سمجھا اور بھلّوں سے بولا۔  
”تم میرے حال پر افسوس کرتے ہو اور میں تمہارے حال  
پر۔ تم اچھے بھلے تو تھے۔ پھر تمہیں نہ جانے کیا ہوا ہے  
۔ جو یوں دیوانے بنے پھرتے ہو۔“

بھلّوں مسکرایا۔ ”تم جانتے ہو کہ خدا کی سب سے  
بڑی نعمت عقل ہے۔“

خواجہ عبداللہ انصاری اپنی مناجات میں فرماتے ہیں  
کہ ”اے خدا۔! جس کو تو نے عقل دی۔ اسے کیا کچھ  
نہیں دیا اور جسے عقل نہیں دی۔ اسے کیا دیا۔“ ہم نے  
وہ حدیث تو سنی ہوگی کہ جب خدا ارادہ کرتا ہے کہ بندے  
سے اپنی نعمتیں واپس لے لے۔ تو سب سے پہلے بندے  
سے جو چیز واپس لیتا ہے وہ عقل ہے۔ عقل برزق  
میں شمار ہوتی ہے۔ افسوس کہ خدا نے یہ نعمت مجھ سے  
واپس لے لی ہے۔“

”لیکن اس سے شاہی خاندان کی کس قدر ذلت ہو رہی  
ہے۔ تمہیں اس کا بھی کچھ اندازہ ہے۔“ سب جانتے ہیں  
کہ تم میرے رشتہ دار ہو اور تم ہو کہ اس جلیے میں جگہ جگہ



گھومتے پھرتے ہو۔ کچھ نہیں تو میرے منصب اور مرتبے کا ہی  
 خیال کرو۔“ ہارون نے سرزنش کے انداز میں کہا۔  
 بھلّوں نے سر اٹھایا اور بولا۔ ”ہارون۔ اگر تو کسی  
 جنگل بیابان میں راستہ بھٹک جائے۔ تیرا پیاس سے دم  
 نکل رہا ہو۔ اور تجھے کہیں پانی نہ ملے۔ تو تو ایک  
 گھونٹ پانی کے عوض کیا کچھ دینے پر تیار ہو جائے گا۔“  
 ”عجیب دیوانے ہو تم۔ بھلا اس وقت اس کا کیا  
 ذکر۔“ ہارون نے ناگواری سے کہا۔

بھلّوں ہنسا۔ ”میری بات کا جواب تو دو۔“  
 ”ظاہر ہے۔ اس وقت میرے پاس جو بھی مال و  
 متاع ہے وہ سب دے دوں گا۔“ ہارون نے بے پڑائی  
 سے جواب دیا۔

”اگر پانی کا مالک اس قیمت پر راضی نہ ہو۔ پھر؟“  
 بھلّوں نے پوچھا۔

”تو میں اُسے اپنی آدھی سلطنت دے دوں گا۔“  
 ہارون نے فراخ دلی سے کہا۔

”اچھا۔“ بھلّوں نے بڑے اطمینان سے کہا۔  
 ”اگر یہ ایک گھونٹ پانی پی کر تیری جان تو بچ جائے۔  
 لیکن تجھے پیشاب رک جانے کی بیماری لاحق ہو جائے۔“

اور کسی طرح دُور نہ ہو۔ تیری جان پر بن جائے اور تجھے پتہ  
 چلے کہ کوئی شخص تیری اس بیماری کا علاج کر سکتا ہے۔ تو  
 تو اُسے کیا دے گا۔“

”میں اس شخص کو اپنی باقی آدھی سلطنت بھی دے دوں گا۔  
 جان ہے تو جہان ہے۔“ ہارون بولا۔

”تو پھر اسی بادشاہی پر غور کرتے ہو۔ جس کی قیمت  
 پانی کے دو گھونٹ سے زیادہ نہیں۔“ بھلّوں نے جبرستہ کہا۔  
 ہارون خفیف سا ہو گیا۔ ”بھلّوں تم دیوانے ہو گتے ہو  
 مگر تمہاری عادتیں نہیں بدلیں۔ تمہیں اپنے خاندان کے  
 وقار کا کوئی پاس نہیں۔ پیغمبر خداؐ کے چچا عباسؓ کے بیٹے  
 عبداللہ بن عباسؓ کتنے مرتبے کے حامل ہیں۔ لیکن تم علیؑ  
 ابن ابی طالبؑ کو ترجیح دیتے ہو۔“

”مجھے اپنی جان کا خوف نہ ہو۔ تو میں یہی کہوں گا کہ  
 تم ٹھیک کہتے ہو۔“ بھلّوں نے جواب دیا۔

ہارون چونکا اور اس کے خیالات جاننے کے لیے بولا۔  
 ”تمہیں ہر طرح سے امان ہے۔ لیکن تمہیں دیں سے اپنی  
 بات کو حق ثابت کرنا پڑے گا۔“

بھلّوں سیدھا ہو بیٹھا اور واضح لفظوں میں بولا۔  
 ”میرے خیال میں پیغمبر خداؐ کے بعد علیؑ تمام مسلمانوں سے



افضل ہیں۔ کیونکہ وہ سچے مومن تھے۔ ان کی تمام عادات پسندیدہ تھیں اور اطاعتِ خدا و رسولؐ میں ان سے ذرہ بھر کوتاہی نہیں ہوتی۔ انھوں نے تمام خدائی احکامات پر اس طرح حرف بہ حرف عمل کیا کہ اس کے مقابلے میں نہ صرف اپنی جان بلکہ اپنی اولاد کی جانیں بھی بیچ سمجھتے تھے۔ وہ بہت بہادر اور نڈر تھے۔ تمام جنگوں میں سب سے آگے رہتے تھے۔ انھوں نے کبھی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائی۔ اس بارے میں ان سے سوال بھی کیا گیا تھا کہ آپ جنگ میں اپنی جان کا خیال کیوں نہیں رکھتے۔ اگر کوئی پیچھے سے آپ پر حملہ کر کے آپ کی جان لے لے۔ تو پھر؟

انھوں نے جواب دیا۔ ”میری لڑائی خدا کے دین کی خاطر ہے۔ اس میں مجھے کسی لالچ، فائدے اور ذاتی غرض کا خیال نہیں۔ میری جان خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر میں مرجاؤں گا۔ تو خدا کی راہ میں مروں گا اور اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوگی۔“

”جب وہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے تو اپنا تمام وقت مسلمانوں کے کاموں اور خدا کی عبادت میں صرف کرتے تھے۔ بیت المال سے ایک دینار بھی بیکار نہیں اٹھاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے بھائی عقیل نے جو عیال دار تھے۔ ان سے درخواست کی

کہ بیت المال سے ان کا جو حق انھیں ملتا ہے۔ اس سے کچھ زیادہ انھیں دیا کریں۔ امیر المومنین نے ان کی درخواست رد کر دی۔“

آپ تمام حکام سے بھی فرماتے تھے کہ لوگوں پر ظلم نہ کیا جائے۔ ان کے معاملات کے فیصلے عدل و انصاف سے کیے جائیں۔ جو حاکم ذرا سا بھی ظلم و ستم کرتا تھا۔ اس سے باز پرس میں سختی کرتے تھے اور اسے فوراً منصب سے ہٹا دیتے تھے۔ خواہ وہ ان کا قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ اسے معاف نہیں کرتے تھے۔“

”جیسا کہ عبداللہ بن عباس نے جس وقت وہ بصرہ کے حاکم تھے۔ بیت المال کی کچھ رقم ذاتی کاموں میں خرچ کر لی تھی۔ آپ نے ان سے وہ رقم واپس مانگی اور ان کے اس فعل پر انھیں سخت تنبیہ کی اور ایک آخری تاریخ مقرر کر دی تاکہ اس سے پہلے پہلے ابن عباس وہ رقم واپس کر دیں۔ لیکن ابن عباس اس مقررہ تاریخ تک رقم نہیں لوٹا سکے۔ علیؑ نے انھیں کوفہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ ابن عباس جانتے تھے کہ علیؑ ایسے خلیفہ نہیں ہیں جو درگزر کر دیں گے اور چشم پوشی سے کام لیں گے۔ اس لیے وہ بھاگ کر مکے چلے گئے اور خدا کے گھر میں جا بیٹھے تاکہ علیؑ کے محتاج سے بچ جائیں۔“



ہارون نجیل سا ہو گیا۔ لیکن ڈھٹائی سے بولا۔ اگر علیؑ اتنے ہی عظیم اور عوام دوست تھے۔ تو پھر قتل کیوں ہوئے؟

”حق کی راہ پر چلنے والوں کو اکثر شہید کیا گیا ہے۔ ہزاروں پیغمبر اور خدا کے نیک بندے اسی طرح خدا کی راہ میں قتل ہوئے ہیں۔“ بھلّوں نے برجستہ جواب دیا۔

ہارون کوئی عذر نہ تراش سکا تو بولا۔ اچھا بھلّوں! اب علیؑ کی شہادت کا حال بھی سنا دو۔“

بھلّوں نے سرد آہ بھری اور بولا۔ ”امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ جس رات عبدالرحمن ابن ملجم قتل علیؑ کے ارادے سے مسجد میں آیا۔ اس وقت ایک اور شخص بھی اس کے ساتھ تھا۔ کچھ دیر وہ دونوں باتیں کرتے رہے پھر صحن مسجد میں سو گئے۔“

جب علیؑ مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے سوتوں کو جگایا تاکہ نماز پڑھیں۔ یہ دونوں ملعون بھی بیدار ہو گئے۔ علیؑ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے سجدے میں سر رکھا۔ تو ابن ملجم نے تلوار آپ کے سر پر ماری۔ یہ ضرب اسی جگہ لگی جہاں پہلے عمرو بن عبدودؓ نے غزوہ خندق میں وار کیا تھا۔ اس بد بخت کے وار سے آپ کے سر سے ابرو تک گہرا

زخم پڑ گیا۔“

”اُس کی تلوار زہر میں بچھی ہوئی تھی۔ اس لیے آپ جانبر نہ ہو سکے اور تیسرے دن شہادت پائی۔ آخری وقت اپنے بیٹوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”خدا کے چاہنے والوں کے لیے اس فانی دنیا سے انبیاء اور اوصیاء کا ساتھ بہتر ہے۔ اگر میں اس زخم سے مر جاؤں تو میرے قاتل کو بھی ایک ہی ضرب لگانا کیونکہ اس نے مجھ پر صرف ایک ہی وار کیا ہے اور۔۔۔ ہاں۔۔۔ اس کا بدن ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا۔“

یہ فرما کر آپ کچھ دیر کے لیے بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو اپنی وصیت جاری رکھی۔ فرمانے لگے۔ ”میں نے اس وقت رسول خداؐ کو دیکھا کہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ کل تم ہمارے پاس ہو گے۔“

اس وقت آسمان کا رنگ بدل گیا۔ زمین ہلنے لگی۔ مومنوں کی آہ و بکا سے فضا میں گونجنے لگیں۔ عوام الناس کے نالہ و شیوے سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس بارے میں ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

”آج کی رات مشرکوں نے ظلم و ستم کا جھنڈا بلند کر دیا ہے۔ شہادت علیؑ سے دین کے ارکان پر سخت وار ہوا ہے۔ اس ایک وار سے جو مومنوں کے باپ کو لگا ہے۔“



ہوٹلوں سے ایک حرف بھی نہیں نکلا اور اس کا سر جھکا رہا  
ہوٹلوں نے اپنی گڈری سنبھالی اور اپنے آنسو پونچھتا ہوا  
اٹھ کھڑا ہوا۔

”اچھا ہارون — اب مجھے اجازت دے۔“  
ہارون چونکا — ”کھڑو — تم ہمارے محل میں آئے ہو  
— یہ مناسب نہیں کہ یہاں سے خالی ہاتھ جاؤ“  
اس نے ملازموں کو حکم دیا کہ ہوٹلوں کے لیے اشرفیاں اور  
دینار لائے جائیں۔

”نہیں ہارون — مجھے ان اشرفیوں کی حاجت نہیں۔ تم  
نے یہ مال جن لوگوں سے لیا ہے — انھیں دے دو۔ اگر تم  
نے قوم کا مال نہیں لوٹایا — تو ایک دن ایسا ضرور آئے گا۔  
جب خلیفہ سے اس کا تقاضا کیا جائے گا — اس روز خلیفہ  
خالی ہاتھ ہوگا اور اس کے پاس شرمندگی اور پچھتاوے کے  
سوا کچھ نہیں ہوگا۔“ ہوٹلوں اتنا کہہ کر چل دیا — ہارون لرز  
گیا اور وہیں پشیمان پشیمان سا بیٹھا رہ گیا۔



ہارون کی چہیتی ملکہ، زبیدہ اپنے شاندار محل کی لڑکی میں  
سے باہر کا نظارہ کر رہی تھی کہ اس نے ہوٹلوں کو نہر کے کنارے

ایمان کا پورے کا پورا گھر اُجڑ گیا ہے۔  
آسمان کے مکینوں نے اس غم میں اپنے تاج سعادت  
اتار پھینکے ہیں۔

دُنیا والوں کو بہتا پانی کڑوا لگنے لگا ہے۔  
آبِ حیات میں زہر گھول دیا گیا ہے۔  
ظالموں نے رسول اللہ کے داماد کو شہید کر کے ان کے  
دل میں غم کے تیر پتیوست کر دیے ہیں۔

انھوں نے علی مرتضیٰ کا سر ہی دو پارہ نہیں کیا  
بلکہ خدا کے ہاتھ (یَدُ اللہ - حضرت کا لقب) کو بھی کاٹ  
ڈالا ہے۔

جب سے علیؑ کی پیشانی پر دشمن کی تلوار لگی ہے  
چاند اور سورج کی پیشانیاں بھی داغدار ہو گئی ہیں۔  
یوں معلوم ہوتا ہے جیسے شَقُّ الْقَمَر کا معجزہ دوبارہ دنیا پر  
ظاہر ہو گیا ہے۔

علیؑ کی پیشانی چاند کی طرح دو ٹکڑے ہو گئی ہے۔  
زینبؓ و اُمّ کلثومؓ کے نالہ و فریاد کی آوازیں بلند ہوئیں۔  
حسنؓ اور حسینؓ نے اپنے عمائے شدت غم سے زمین پر اتار پھینکے۔

ہوٹلوں کا حرف حرف درد و آلم میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہارون  
بھی اس کی تاثیر میں کھوسا گیا۔ اور بہت دیر تک اس کے



کر دیا۔ ”مجھے وہ بہشت چاہیے۔“

بہلول نے رقم لے لی اور بولا۔ ”تم نے قیمت ادا کر دی ہے۔ ٹھہرو۔ میں اس کا قبالہ تمہارے نام لکھ دیتا ہوں۔“  
زُبیدہ ہنسی۔ ”میں اس وقت جلدی میں ہوں بہلول! تم اس کا قبالہ لکھ کر محل میں لے آنا۔“

وہ اتنا کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ بہلول بھی اپنی مٹی کی ڈھیریاں ڈھا کر اُٹھ کھڑا ہوا اور وہ سب دینار اپنی جھولی میں ڈال کر ضرورت مندوں اور ناداروں کی تلاش میں نکل گیا۔

زُبیدہ سب کچھ بھول کر اپنے معمولات میں مصروف ہو گئی۔ رات اپنے بستر پر گئی۔ آنکھ لگی۔ تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک ایسے خوشنما باغ میں ہے۔ جس کا تصور کرنا بھی محال ہے کہ وہ روتے زمین پر اس کی کوئی مثال ہو سکتی ہے۔ وہ حیران نظروں سے اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ اس نے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اور ہر لحظہ حیرت میں ڈوبتی چلی گئی۔ اس کے چاروں طرف عظیم الشان محلات تھے۔ جن کے در و دیوار میں بڑے ہوئے ست رنگے جواہرات نگاہوں کو خیرہ کر رہے تھے۔ چین میں بہتی ہوئی نہروں کا پانی موتوں جیسا شفاف تھا۔ گلستان کی بہار قابلِ دید تھی۔ گلیاں چٹک رہی تھیں۔ پھول کھل رہے تھے۔ فضا میں مَعَطَّ تھیں

بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ بچوں کی طرح ریت سے کھیل رہا تھا۔ کبھی وہ اس کی چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں بناتا۔ کبھی انھیں کیاریوں کی شکل دیتا۔ کبھی ان گھونڈوں میں کھڑکیاں اور دروازے بناتا۔ زُبیدہ کچھ دیر اُس کا یہ کھیل دلچسپی سے دیکھتی رہی۔ پھر اپنی چند کنیزوں کے ساتھ باہر آئی اور بہلول کے پاس آن کھڑی ہوئی اور اسے متوجہ کیا۔ ”بہلول یہ کیا کر رہے ہو؟“  
بہلول نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ”یہ میں جنت کے محل بنا رہا ہوں۔“ اتنا کہہ کر وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔  
”اچھا۔“ زُبیدہ نے مصنوعی حیرت سے کہا۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔ ”بہلول۔ تم بہشت کے یہ محل بیچتے بھی ہو؟“  
”ہاں بیچتا ہوں۔“ بہلول نے جواب دیا۔  
”کتنے دینار میں۔“ زُبیدہ نے مزاحاً پوچھا۔  
”صرف۔ سو دینار میں۔“ بہلول نے بتایا۔

زُبیدہ نے سوچا کہ اس طرح مذاق ہی مذاق میں بہلول کی مدد بھی ہو جائے گی۔ اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ بہلول کو سو دینار ادا کر دیے جائیں اور بہلول سے بولی۔ ”بہلول میں بھی ایک بہشت خریدنا چاہتی ہوں۔“

”کون سی۔“ بہلول نے استفسار کیا۔

زُبیدہ نے یوں ہی ریت کی ایک کیاری کی جانب اشارہ



اور ہواؤں میں تازگی اور خوشگوار تھی۔ روشیں پھولوں سے  
بھری تھیں اور ان کی مہک نرالی تھی۔  
اتنی خوب صورتی۔ اتنا حسن اور دلکشی یکجا دیکھ کر زبیدہ  
حیران ہو رہی تھی کہ کچھ غلام اور کنیزیں صفیں باندھے قریب  
آئے۔ زربگار کرسی بیٹھنے کے لیے پیش کی اور مودبانہ لہجے میں  
بولے۔ ”تشریف رکھیے۔“

زبیدہ تصویر حیرت بنی اس زریں کرسی پر بیٹھ گئی۔  
ایک کنیز آگے بڑھی اور اس نے ایک دستاویز چاندی کی  
طشتری میں رکھ کر زبیدہ کو پیش کی۔ زبیدہ نے کچھ متذنب  
سی ہو کر دستاویز اٹھائی اور ڈرتے ڈرتے اس پر نگاہ ڈالی۔  
اس میں سونے کے حروفوں سے لکھا تھا: ”یہ قبالہ ہے اس  
بہشت کا جو بھلّوں نے زبیدہ کے ہاتھ فروخت کی ہے۔“  
اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بہت  
دیر تک خواب کے سحر میں کھوئی رہی۔ اس کی آنکھوں میں  
وہ تمام فردوسی مناظر رقص کرنے لگے۔ اس نے سوچا۔ غور  
کیا اور اسے یقین ہو گیا کہ اس نے جو کچھ دیکھا ہے۔ وہ  
خواب کی صورت میں ایک بشارت ہے۔ بھلّوں کا وعدہ  
سچ تھا۔ کیونکہ اس نے بہشت کا قبالہ لکھ کر دینے کا وعدہ  
کیا تھا اور جیسے نظارے اس نے خواب میں دیکھے تھے۔

وہ رُوعے زمین پر کہیں نہیں تھے۔

اس کا رُواں رُواں مسرت و شادمانی سے نایب اٹھا۔  
اس نے بے خودی میں ہارون کو جگایا اور پھولے ہوتے سانسوں  
کے درمیان بولی۔ ”ظِلِّ الْہٰی۔“ آج میں نے سودینار میں  
بھلّوں سے ایک بہشت خریدی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ  
ایک مذاق ہے۔ دیوانے کی بڑ ہے۔ مگر وہ ابھی ابھی  
مجھے خواب میں دکھلا دی گئی ہے۔ اس کا قبالہ میرے نام  
ہے۔ میں نے ابھی اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔  
”تمہارا دماغ تو درست ہے۔ احمق۔ کہ تمہیں  
بھی اس دیوانے نے پاگل بنا دیا ہے۔“ ہارون نے  
اپنی نیند خراب ہونے کی خفگی سے کہا۔

”نہیں۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں نے خواب  
میں جو کچھ دیکھا ہے۔ اس کا دیدار کسی انسانی آنکھ نے  
نہیں کیا ہوگا۔ وہ بہشت میرے نام ہے۔ خدا کی قسم  
میں نے اس کی دستاویز دیکھی ہے۔“ زبیدہ نے جوش  
سے بتایا۔

”اوہو۔ یہ وقت ایسے اُلٹے سیدھے خواب سنانے  
کا ہے۔ خاموش ہو جاؤ اور میری نیند خراب نہ کرو۔“  
ہارون نے غصے سے کہا اور کروٹ بدل لی۔



دے دوں گا۔ ایک بہشت میرے ہاتھ بھی فروخت کر دے۔  
ہارون نے کہا۔

بہلول نے قہقہہ لگایا۔ ”ہارون تیری ملکہ نے تو  
اُن دیکھے یہ سودا کیا تھا۔ تو نے تو اُس سے سب کچھ سُرا لیا  
ہے۔ اب اس کی قیمت ادا کرنا تیرے بس میں نہیں۔“



بہلول کی اس کرامت نے ہارون کو فکر مند کر دیا۔ وہ  
نہیں چاہتا تھا کہ بہلول کی کوئی ایسی بات لوگوں کو اپنی طرف  
مُتوجہ کرے اور وہ اس کے مُعتقد بن جائیں۔ کیونکہ اسے یہ بھی  
بدگمانی تھی کہ امام موسیٰ بن جعفرؑ جنہیں اس نے قید کر رکھا  
تھا۔ وہ اُن سے خفیہ رابطہ رکھتا ہے اور اس کے خلاف  
پروپیگنڈہ کرتا ہے۔ اس نے ان جاسوسوں کو بھلوا دیا۔ جو بہلول  
کے بارے میں سے تمام خبریں پہنچاتے تھے اور ان سے بولا  
”تم لوگوں نے بہلول کے بارے میں کیا پستہ چلایا  
ہے؟“

”جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔“ ایک شخص  
نے جرات کی۔

”امان ہے۔“ ہارون نے کہا۔

لیکن زبیدہ کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ وہ تمام  
رات اس نے اسی تصوّر میں گزار دی۔ صُبح اٹھتے ہی وہ  
پھر ہارون کے گرد ہو گئی اور اسے قسمیں کھا کھا کر اپنا  
خواب سُنا دیا اور اسے یقین دلایا کہ اس کا خواب سچا ہے اور  
بہلول سے خریدی ہوئی جنت حقیقت ہے۔

ہارون نے بہلول کو بلا بھیجا۔ وہ اپنی گڈری میں لیٹا  
شہنشاہوں کی سی شان سے آیا اور معنیٰ خیز لہجے میں ہارون  
سے بولا۔ ”تجھ جیسے بادشاہ کو مجھ فقیر کی ضرورت کیوں اُن  
پڑی ہے۔“

”سُنا ہے۔ تو نے بہشت بیچنے کا کاروبار شروع کر دیا  
ہے۔“ ہارون نے مذاق اڑایا۔  
”مابدولت تو یہ کاروبار کب سے کر رہے ہیں۔“ بہلول  
نے بے نیازی سے جواب دیا۔

”سُنا ہے تو نے ملکہ کو بھی کوئی بہشت بیچی ہے۔“  
ہارون نے سوال کیا۔

”ہاں۔“ !! بہلول نے اثبات میں سر ہلایا۔  
”کتنے میں۔“ ہارون نے پوچھا۔

”سودینار میں۔“ وہ بولا۔

”بہت خوب۔“ میں بھی تجھے سودینار سے کچھ زیادہ ہی



”عالی جاہ۔! اُسے دیوانہ نہیں۔ دانا کہنا چاہیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اُس نے خود پر دیوانگی کا ایک خول سا چڑھارکھا ہے۔ وہ دانشمندی میں اچھے بھلے ہوش مندوں کو مات دے دیتا ہے۔ ہم نے اس کی بہت بگڑائی کی ہے۔ مگر کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس پر گرفت کی جاسکے۔“ ایک وزیر نے جواب دیا۔

”ہمیں خبر ملی ہے کہ اس نے عوام کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ لوگ اپنی مشکلیں لے کر اس کے پاس جاتے ہیں۔“ ہارون نے ناگواری سے کہا۔

”آپ نے بجا فرمایا۔ ظَلَّ سُبْحَانِی۔!!! یہ حقیقت ہے کہ وہ لوگوں کے کام آتا ہے اور بڑے عجیب انداز میں ان کی مشکلیں حل کرتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں بغداد کے سوداگر کا قصہ بیان کروں۔ جس کی مشکل بھٹول نے آسان کی ہے۔“ دوسرے مشیر نے گفتگو میں حصہ لیا۔

”اجازت ہے۔“ ہارون نے اجازت دی۔

”اس بات کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ بغداد کا ایک شریف سوداگر عجیب مشکل میں گرفتار ہو گیا تھا۔ وہ بہت کم منافع پر مال بیچتا ہے۔ اس لیے شہر میں ہر دلعزیز ہے۔ اس کا ایک کاروباری رقیب جو یہودی ہے۔ اس سے حسد

کرتا تھا اور موقع کی تاک میں تھا کہ سوداگر کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔ وہ شہر میں سود پر روپیہ بھی چلاتا ہے۔“

کچھ مدت گزری اس شریف سوداگر کو روپے کی ضرورت پڑی۔ اس نے یہودی سے قرض مانگا۔ وہ روپیہ دینے پر تیار تو ہو گیا۔ لیکن اس نے ایک زالی شرط رکھی کہ اگر سوداگر وقت مقررہ پر اس کا قرض ادا نہ کر سکا۔ تو وہ اس کے بدلے میں اس کے جسم کے جس حصے سے چاہے گا۔ ایک سیر گوشت کاٹ لے گا۔ سوداگر مجبور تھا۔ اس کی عزت پر بنی تھی۔ اس نے مجبوراً شرط مان لی اور پکی دستاویز لکھ کر یہودی کے حوالے کر دی۔“

”اتفاق ایسا ہوا کہ وہ سوداگر وقت مقررہ پر قرض ادا نہیں کر سکا۔ تو یہودی نے فوراً عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا کیونکہ اس کے پاس سوداگر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دستاویز موجود تھی۔ اس لیے قاضی کو فیصلہ یہودی کے حق میں ہی دینا تھا۔ مگر وہ آج کل پرٹالتا رہا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہودی سوداگر کا سخت ترین دشمن ہے۔ وہ اس کا ایسا عضو کاٹنا چاہتا ہے جو اس کی موت کا باعث بن جاتے۔“ یہودی ہر روز قاضی سے حکم جاری کرنے کا تقاضا کرنے لگا۔ قاضی کے پاس بھی سوداگر کے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہیں تھی۔



لو پھر ٹھیک ہے بھائی — تمہیں پورا حق حاصل ہے کہ تم سوداگر کے جسم سے ایک سیر گوشت کاٹ لو — جہاں سے جی چاہے کاٹو — لیکن اتنا خیال رکھنا کہ شرط صرف گوشت کی ہے اور وہ بھی پورا ایک سیر — نہ کم نہ زیادہ — اور خون کا ایک قطرہ نہ نکلے — اگر تم نے ایک سیر سے کم یا زیادہ کاٹا یا سوداگر کا خون ضائع ہوا تو تمہیں اقدام قتل کی سزا ملے گی — بھلے نے بہت مزے سے کہا —

یہودی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا — لوگ عیش عیش کر اٹھے اور قاضی نے حکم دیا کہ یہودی کو صرف رقم ادا کر دی جائے — ”بہت خوب“ — !!! ہارون نے توصیفی انداز میں کہا ”بہت دور کی کوڑی لایا بھلے“ —

عالی جاہ — اس کا دیوانہ دماغ اکثر دور کی کوڑی لاتا ہے — اگر مجھے اجازت ہو تو میں بتاؤں کہ اس نے ایک بیوقوف غلام کو کیا خوب سبق سکھایا — کوئی دوسرا مقرب بولا — ”بیان کرو“ — ہارون نے اجازت دی —

چند روز ہوئے یہ خاکسار ایک کشتی میں بصرے گیا — اس میں اور لوگوں کے ساتھ بھلے بھی سوار تھا — اچانک ایک سوداگر کا غلام رونے اور چلانے لگا — ”خدا کے لیے مجھے کشتی سے اتارو — نہیں تو میں مرجاؤں گا — خدا کیلئے

لوگ بھی اس کے حال پر کڑھتے تھے — کسی نے بھلے سے بھی یہ قصہ جا کہا — اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ — اپنی گڈری اٹھا کر کندھے پہ ڈالی اور قاضی کی عدالت میں جا پہنچا — اور قاضی سے بولا —

”قاضی جی — کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں انسانیت کے ناطے اس سوداگر کی وکالت کروں“ —

قاضی نے اُسے اجازت دے دی — تو وہ اپنا عصا کھٹکھٹاتا آگے بڑھا اور بڑے اطمینان سے سوداگر اور یہودی کے درمیان جا بیٹھا — اور سوداگر سے بولا — ”بھائی سوداگر! کیا تو نے اس کو دستاویز لکھ کر دی ہے کہ اگر تو قرض ادا نہ کرے تو اسے اختیار ہے کہ یہ تیرے جسم کا ایک سیر گوشت جس جگہ سے چاہے اتار لے“ —

”مجھے اس سے انکار نہیں ہے“ — وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولا —

پھر بھلے یہودی کی طرف متوجہ ہوا — ”کیوں بھائی کیا یہی دستاویز لکھی گئی تھی کہ تم اس کے جسم سے ایک سیر گوشت جہاں سے چاہو گے کاٹ لو گے“ —

”بالکل یہی اقرار ہوا تھا — میرے پاس دستاویز موجود ہے“ — یہودی نے بڑے فخر سے بتایا —



اس کشتی کو واپس لے جاؤ۔ سمندر کی لہریں اسے الٹا دین گی  
ہم سب ڈوب جائیں گے۔ تمہیں خدا رسول کا واسطہ کشتی  
کو روکو۔“

اسے ایک لمحہ بھی قرار نہیں آ رہا تھا اور اس کی چیخ و پکار  
سے کشتی میں سوار لوگ بہت پریشان ہو رہے تھے۔ کچھ  
مسافروں نے اُسے تسلی دینے کی کوشش بھی کی۔ ہر طرح سے  
سمجھایا، بچھایا۔ لیکن اسے کسی پل چین نہیں تھا۔  
بہلول نے غلام کے مالک سے کہا۔ ”جناب! اگر آپ  
اجازت دیں تو میں آپ کے غلام کا خوف دور کر دوں۔  
بچارا بہت پریشان ہے۔“

”نیکی اور پوچھ پوچھ۔ بھلا اس سے بہتر اور کیا بات  
ہوگی۔ اس کا کوئی بندوبست کرو۔ یہ خود تو پریشان ہے  
ہی۔ اس کی چیخ و پکار ہمارے دماغ پر بھی ہتھوڑے کی  
طرح برس رہی ہے۔ اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔  
اسے پرسکون کر دو۔“ سوداگر نے جلدی سے کہا۔  
باقی لوگوں نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔  
بہلول نے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا۔ ”بھائیو۔  
تمہیں زحمت تو ہوگی۔ ذرا اس بچارے غلام کو اٹھا کر سمندر  
میں تین چار ڈبیاں تو دلو دو۔“

لوگ ہنس پڑے۔ کچھ نے حیران ہو کر اس کی طرف  
دیکھا۔ غلام اور زیادہ چیخ و پکار کرنے لگا۔ بہلول بولا۔  
بھائیو۔ جب اس کے مالک نے اجازت دے دی ہے تو  
تمہیں کیوں تامل ہے۔ شاباش اٹھو۔ اس کو سمندر  
میں دو چار غوطے دلوادو۔ چلو بسم اللہ کرو۔“

سوداگر نے اس کی تائید کی۔ تو غلام کے قریب بیٹھے  
ہوئے لوگوں نے اس کو پکڑ لیا۔ غلام نے واویلا مچا کر آسمان پر  
پراٹھالیا۔ بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر اس کی ایک نہیں  
چلی۔ کچھ آدمیوں نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا اور سمندر  
میں غوطے دینے لگے۔ وہ بچاؤ۔ بچاؤ۔ کاشور مچانے لگا۔  
چند لمحوں بعد بہلول نے کہا۔ ”یار۔ اس بچاے  
پر ترس کھاؤ اور اب بس کرو۔ اس کا علاج ہو گیا ہے۔“  
مسافروں نے اسے واپس کھینچ لیا۔ اس نے ہانپتے  
کانپتے اپنے ناک اور منہ سے پانی نکالا۔ بال پونچھے اور  
ایک کونے میں بالکل چپ بیٹھ رہا۔ باقی مسافروں نے  
حیرت سے اس کی اس خاموشی کو دیکھا۔ اور بہلول سے  
سوال کیا کہ اس نے یہ نسخہ کیونکر ایجاد کیا جو اس قدر کارگر  
ثابت ہوا۔“

بہلول نے ہنس کر جواب دیا۔ ”اس بچارے کو کشتی



دیوانوں اور درویشوں کی باتوں سے اکثر لوگ فال لیتے ہی ہیں، اس نے بھی بھلّوں کی بات پر عمل کیا۔ اتفاقاً اسے بہت زیادہ منافع ہوا۔“

دو ڈھائی ماہ بعد، اس نے پھر مال خریدنے کا ارادہ کیا تو سوچا کہ پھر بھلّوں کی باتوں سے فال لی جائے۔ وہ اس کے پاس آیا۔ یہ اپنی ان دیوانی حرکتوں میں لگا ہوا تھا۔ تاجر نے اسے بلایا۔ تو اپنے عصا پر سوار ہو کر ٹخ ٹخ کرتا آیا۔ اس نے اس کی حالت دیکھ کر کہیں کہہ دیا۔ ”او پاگل بھلّوں۔ ذرا یہ تو بتا کہ اس بار میں تجارت کے لیے کون سا مال خریدوں۔“

بھلّوں فوراً بولا۔ ”جا بھائی پیاز اور تربوز خرید لے۔“ اس احمق نے بغیر سوچے سمجھے اپنا تمام سرمایہ پیاز اور تربوز خریدنے میں لگا دیا۔ فصل کے دنوں میں تو ویسے ہی ان کی مانگ نہیں تھی۔ کچھ دن ذخیرہ کیے۔ تو وہ سرٹ گئے اور اسے خسارہ اٹھانا پڑا۔ وہ غصے میں بھرا ہوا بھلّوں کے پاس آیا اور بولا۔ ”او بھلّوں۔ تو نے مجھے یہ کیسا مشورہ دیا تھا۔ میرا سارا سرمایہ ڈوب گیا ہے۔ حالانکہ پچھلی بار تیرے مشورے سے مجھے بہت منافع ہوا تھا۔“

بھلّوں بولا۔ ”حضرت۔ پہلے روز جب آپ نے مجھ

کے آرام کی قدر و قیمت کا اندازہ ہی نہیں تھا۔ سمندر میں غوطے کھا کر اسے یہ نکتہ سمجھ میں آگیا ہے کہ کشتی سمندر کے مقابلے میں کتنی محفوظ ہے۔“

ہارون مسکرایا۔ ”اس مسخرے کا بھی کوئی ایسا ہی علاج کرنا پڑے گا۔ جو دیوانہ بن کر دوسروں کو دیوانہ بناتا پھرتا ہے۔“

”ظّلّ الہی نے بجا فرمایا۔ ہمارا اندازہ بھی یہی ہے کہ وہ دیوانہ نہیں ہے۔ بلکہ دوسروں کو بیوقوف بنانے کے لیے ایسی حرکتیں کرتا ہے۔ کچھ روز پہلے تو ہمیں اس کا ثبوت بھی مل گیا کہ وہ دیوانہ۔ پاگل اور دانشمند میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔“ ایک شخص نے کہا۔

”وہ کس طرح۔؟ بیان کرو۔“ ہارون نے متحسّس لہجے میں کہا۔

”جب بھلّوں کو پاگل پن کا دورہ پڑا تھا۔ تو ایک تاجر نے غالباً فال لینے کی غرض سے بھلّوں سے پوچھا۔ ”حضرت شیخ بھلّوں صاحب۔ ہر بانی فرما کر مجھے مشورہ دیں کہ میں کونسا مال خریدوں جو نفع بخش ہو۔“

بھلّوں نے بڑے اطمینان سے کہہ دیا۔ ”بھائی تم لوہا اور روئی خرید لو۔ اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔“



سے مشورہ مانگا تھا۔ تو جناب شیخ بھلّوں کہہ کر مجھے آواز دی تھی۔ گویا آپ نے مجھے دانشمند سمجھ کر میرے وقار کا خیال رکھا۔ میں نے بھی دانشمندی سے مشورہ دیا۔ لیکن دوسری بار آپ کو یاد ہے کہ آپ نے کیا گویا ہر افشانی فرمائی تھی۔؟

”نہیں“۔ تاجر کو یاد نہیں تھا۔

”آپ نے فرمایا تھا۔ اوپاگل بھلّوں۔!! چونکہ آپ نے مجھے پاگل سمجھ کر مخاطب کیا تھا۔ اس لیے میں نے بھی آپ کو پاگل پن سے ہی مشورہ دیا تھا۔“

”بہت خوب۔!!! ہارون محفوظ ہوا۔“ یہ تو شہنشاہ دیوانہ ہے۔ اس کا کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔“

”آپ کا فرمانا بجا۔ لیکن حضور۔ اس کی اس دیوانگی نے اسے عوام سے بہت قریب کر دیا ہے۔ یہ مفت میں ان کی مشکلیں حل کرتا ہے۔ ہر غریب کے ساتھ اٹھ کر چل پڑتا ہے۔ اس پر ذرا احتیاط سے ہاتھ ڈالنا ہوگا۔“

وزیر نے اظہار خیال کیا۔

”ہوں۔ تو پھر تم ہی بتاؤ کہ اس پر کون سی فرد جرم عائد کی جائے کہ عوام میں کوئی رد عمل نہ ہو۔“ ہارون نے پوچھا۔

”جان کی امان پاؤں۔ تو ایک تجویز پیش کروں۔“

ایک مشیر نے محتاط لہجے میں کہا۔

”آمان ہے۔“ ہارون نے شاہانہ نخوت سے گویا احسان کیا۔

”اس پر الزام لگایا جاسکتا ہے کہ وہ انبیائے سلف کی توہین کرتا ہے۔ اس لیے اسلام سے خارج ہے اور وجہ اقلّ ہے۔“ اس نے بتایا۔

”کوئی ثبوت؟“ ہارون نے رعب شاہی سے کہا۔

”اس کا ثبوت بھی موجود ہے اور گواہ بھی۔“ مشیر بولا۔

”بیان کرو۔“ ہارون نے تحکمانہ شان سے کہا۔

”کچھ لوگوں نے بھلّوں سے حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں پوچھا کہ وہ کس قوم کے پیغمبر تھے؟۔ تو وہ کہنے لگا۔ کہ ان کے نام سے ظاہر ہے کہ وہ ادباشوں اور عیاشوں کے پیغمبر تھے۔ لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے تو پیغمبر خدا کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ تو اس نے یہ کہہ کر اپنی جان بچائی کہ میں نے پیغمبر کی شان میں تو گستاخی نہیں کی۔ میں نے تو ان کی قوم کی بات کی ہے۔ اس کی تائید قرآن پاک میں موجود ہے۔“

ہارون زیر لب مسکرایا۔ اور بولا۔ ”نہیں۔ نہیں۔“

اس پر یہ الزام ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ یہ دیوانہ بڑا حاضر



جواب ہے اور دوسروں کو لاجواب کرنے کا ہنر خوب جانتا ہے۔  
 ”عالی جاہ — ایسا ویسا حاضر جواب — اس نے تو  
 آپ کے وزیر مملکت کا ایسا ناطقہ بند کیا تھا کہ موصوف  
 بغلیں جھانکنے لگے تھے۔ حالانکہ وہ خود کو بہت حاضر دماغ  
 سمجھتے ہیں۔“ ایک مشیر نے وزیر مملکت کا تذکرہ کیا جو  
 اس وقت محفل میں موجود نہیں تھا۔

”وہ قصہ کیا ہے، بیان کیا جائے۔“ ہارون نے اجازت  
 دی۔

”عالی جاہ — ہوا یوں کہ ایک روز بھلول یہاں آیا تو  
 اتفاقاً وزیر مملکت سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے مزاحاً  
 بھلول سے کہا — ”بھلول — !! مبارک ہو۔ ابھی ابھی حکم  
 آیا ہے کہ خلیفہ نے تجھے گتوں، مرغوں اور شوروں کا امیر  
 اور حاکم بنا دیا ہے۔“

بھلول نے ایک لمحہ توقف نہیں کیا اور بڑے رعب سے  
 بولا — ”خبردار — اب ہمارے حکم سے سرتابی کی جرات نہ کرنا۔  
 اس حکم سے تو بھی میری رعیت ہو گیا ہے۔“ اس نے یہ  
 بات اتنی بے ساختگی سے کہی کہ وہاں موجود کوئی بھی اپنی ہنسی  
 پر قابو نہیں پاسکا اور وزیر مملکت کو وہاں سے ٹپتے ہی بنی۔  
 ہارون ہنسنے لگا۔ تو اس کے خوشگوار مزاج سے شہ پاکر

مشیر کے کسی حاسد نے موقع غنیمت جان کر کہا — ”عالی جاہ  
 مشیر صاحب نے وزیر مملکت کا واقعہ تو بیان کر دیا — لیکن  
 ذرا ان سے بھی تو پوچھیے کہ پچھلے ہفتے حضرت بھلول نے ان  
 کے ساتھ کیا کیا ہے۔“

ہارون نے اس کی جانب دیکھا — ”بولو — کیا  
 ہوا تھا۔“

وہ خفیف سا ہو گیا اور اس شخص پر قہر آلود نگاہ ڈال  
 کر بولا — ”ظَلَّ اِلٰہی — حاسدوں کا کام دوسروں کو نیچا  
 دکھانا ہے۔“

”تم نے وزیر مملکت کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کا نشانہ  
 تمہاری اپنی ذات بھی بن گئی ہے۔ فوراً وہ قصہ بیان  
 کرو۔“ ہارون نے سرزنش کی۔

سرتابی کی مجال کس میں تھی — وہ خجل سا ہو کر اپنا  
 قصہ آپ ہی کہنے لگا — ”عالی جاہ — اس روز میں نے  
 کھانے کے ساتھ پنیر بھی کھایا تھا — شاید اس کا کوئی ریزہ  
 میری ڈاڑھی میں بھی اٹکا رہ گیا — لیکن مجھے اس کی خبر  
 نہیں تھی — شومنتی قسمت کہ بھلول اس طرف آنکلا اور  
 مجھ سے پوچھنے لگا — ”مشیر صاحب — آج آپ نے  
 ناشتے میں کیا تناول فرمایا ہے۔“



میں نے ہنسی ہنسی میں کہہ دیا — ”میں نے کبوتر  
کھایا ہے۔“  
تو وہ کہنے لگا — ”تب ہی اس کی بیٹ آپ کی  
ریش مبارک میں اٹکی ہوئی نظر آرہی ہے۔“  
ہارون بے ساختہ ہنس پڑا — ”واللہ کیسا مسخرہ  
ہے یہ بھلؤل — کل اُسے دربار میں طلب کرو — ہم  
خود اس سے بات کریں گے۔“



اگلے روز بھلؤل دربار میں حاضر تھا — ہارون اپنے  
زرنگار تخت پر شاہی لباس پہنے بڑی تمکنت سے بیٹھا ہوا  
تھا — بھلؤل اپنی بوسیدہ پاپوش اور پیوند لگی گڈڑی کے ساتھ  
اُس کے حضور پیش کیا گیا — ہارون نے ایک قہر آلود نگاہ  
اُس پر ڈالی اور خشمگین لہجے میں بولا — ”بھلؤل — !!! تو  
بہت ہوشیار بنتا ہے — لیکن ہمیں پتہ چلا ہے کہ تو حکومت  
کے باغی موسیٰ بن جعفرؑ کے دوست داروں میں سے ہے۔  
انھی کے حکم پر تو دیوانہ بنا ہوا ہے — تاکہ عوام کو ان کی طرف  
متوجہ کر کے ہماری حکومت کا تختہ الٹ دے — تو سمجھتا  
ہے کہ پاگل ہونے کی وجہ سے تیری کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔“

لیکن یاد رکھ کہ حکومت تیری طرف سے غافل نہیں ہے۔  
تیری سب سرگرمیوں کی خبر ہمیں برابر ملتی ہے۔“  
بھلؤل نے مضحکہ خیز صورت بنائی — ”ظاہر ہے کہ تمھارے  
نمک حلال شکاری کتے صحیح اطلاع ہی لے کر آئے ہوں گے۔  
تو اب خلیفہ مجھ سے کیسا سلوک کریں گے۔“  
بھرے دربار میں مذاق اڑانے پر ہارون کو اور طیش آیا۔  
”تمھیں ایسا سبق سکھایا جائے گا کہ تم دوسروں کے لیے نمونہ  
عبرت بن جاؤ گے۔“ اس نے غصے سے کہا اور اپنے غلام کو  
پکارا — ”مسرور — لے جاؤ اس گستاخ کو — اس کے  
کپڑے اتار لو اور اس پر گدھے کا پالان ڈال دو — اس  
کے منہ میں لگام دو — اسے محل اور حرم سرا میں پھراؤ اور  
اس کے بعد میرے سامنے اس کا سر پر غرور اڑا دو۔“  
دربار میں سناٹا چھا گیا — درباری ہیبت شاہی سے  
کانپ گئے — لیکن بھلؤل شان بے نیازی سے کھڑا مسکراتا  
رہا — مسرور آگے بڑھا اور اس نے بھلؤل کی گڈڑی گھسیٹ  
کر پرے اُچھالی — اس کا بوسیدہ لباس نوچ کر اس پر گدھے  
کا پالان کس دیا — اس کے منہ میں لگام دی اور اسے کھینچتا  
ہوا محل اور حرم سرا کی طرف لے گیا۔

شاہی درباروں اور محل سراؤں میں انسانیت کی تذلیل



روز کا معمول ہے۔ اس لیے بھلّوں کی اس ہیئتِ کذاتی پر کسی کو تعجب نہیں ہوا۔ محل اور حرم سرا کے مکین انسانیت کی اس توہین کو تماشے کی طرح دیکھتے رہے۔ کسی نے سوچا کہ بھلّوں تو دیوانہ ہے۔ اس لیے سزا کا مستوجب نہیں۔ لیکن جان کے خوف نے زبانوں کو بند کر رکھا تھا۔ کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔

مسرور اس کی لگام کھینچتا اسے دربار میں واپس لے آیا۔ اور ہارون کے سامنے ادب سے جھک کر بولا۔ ”عالی جاہ! آپ کے حکم کی تعمیل ہوتی۔ کیا اس کی گردن اڑادی جائے؟“ ہارون نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ ناگاہ اس کا وزیر جعفر برمکی دربار میں داخل ہوا۔ اس نے حیرت سے بھلّوں کی یہ حالت دیکھی اور بولا۔

”بھلّوں۔ خیریت تو ہے۔ ایسا کیا قصور ہو گیا ہے تم سے جو یہ حالت بنی ہے۔“

بھلّوں ہنسنا۔ ”جناب عالی۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ ابھی تو میری گردن بھی ماری جائے گی۔“

”مگر کس جرم میں؟“ جعفر برمکی نے پوچھا۔

”میں نے ایک سچی بات کہہ دی تھی۔ جس کے انعام میں خلیفہ نے مجھے یہ خلعتِ فاخرہ عطا کی ہے اور جامِ مرگ

میرا انتظار کر رہا ہے۔“

ہارون کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ خلیفہ کو ہنستے دیکھ کر درباری اور جعفر برمکی جو اپنی ہنسی ضبط کر رہے تھے۔ وہ بھی ہنس پڑے۔ ہارون کا غصہ کافور ہو گیا اور اس نے شاہی حکم جاری کیا۔ ”جیسی بھلّوں نے کہی ہے اسے ویسی ہی خلعتِ فاخرہ عطا کی جائے۔“

”خلیفہ کے اس کرم کا شکریہ۔ مجھے اپنی پویند لگی گڈری ہی غنیمت ہے۔“ بھلّوں نے اپنی گڈری شانے پہ ڈال لی۔ ”بھلّوں کو درہم و دینار عطا کیے جائیں۔“ شاہی فرمان جاری ہوا۔

”نہیں۔ مجھے اہل جہنم کی پیشانیوں اور پشتوں پر لگنے والی مہروں کی ضرورت نہیں۔“ بھلّوں چلنے پر تیار ہو گیا۔ ہارون نے اسے روکا۔ ”بھلّوں۔ اگر تم اس انعام و اکرام کو اپنے استعمال میں نہیں لانا چاہتے تو غریبوں اور محتاجوں میں بانٹ دینا۔ ان کا بھلا ہو جائے گا۔“

بھلّوں رک گیا اور اس نے رقم کی تھیلیاں غلام سے لے لیں۔ چند قدم چلا اور رک گیا۔ کچھ سوچنے لگا۔ پھر آگے بڑھا اور رک گیا۔ پھر کچھ سوچا اور واپس پلٹ آیا۔ اس نے رقم کی تھیلیاں ہارون کے سامنے ڈھیر کر دیں۔ اور بولا:



”ہارون — میں نے بہت سوچا ہے کہ ان اشرافیوں کی سب سے زیادہ ضرورت کس کو ہے — لیکن مجھے تجھ سے زیادہ مستحق کوئی اور نظر نہیں آیا — تجھ سے زیادہ نادار اور ضرورت مند شاید اور کوئی نہیں — کیونکہ میں روز دیکھتا ہوں کہ تیرے کارندے ہر جگہ لوگوں کو کوڑے مار مار کر ان سے ٹیکس وصول کرتے ہیں — تاکہ تیرے خزانے بڑھوں — سارے شہر میں سب سے بڑا ضرورت مند تو تو خود ہے — اس لیے یہ رقم تو ہی رکھ لے۔“

خلیفہ دم بخود رہ گیا — اہل دربار سناٹے میں آگئے — بھلے کے انجام کا سوچ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے — لیکن بھلے اطمینان سے چل کھڑا ہوا —

”روکو — !!! رکو اس دیوانے کو رکو —“ اچانک خلیفہ ہارون کی آواز گونجی —

اہل دربار اس تصور سے ہی کانپ گئے کہ اب بھلے کا عتاب شاہی سے بچنا محال ہے —

دو غلام تیزی سے آگے بڑھے اور بھلے کو گھسیٹ کر ہارون کے سامنے لے آئے —

ہارون کی آنکھیں نم تھیں اور پشیمانی نے اس کی آواز کو پست کر دیا تھا — وہ گہری سانس لے کر بولا — ”بھلے —

تیری دیوانگی ہم جیسے ہوش مندوں کے لیے ایک نعمت ہے — تیری اس بات نے میرے دل کو نرم کر دیا ہے — میرا جی چاہتا ہے کہ تجھ سے کچھ پسند نصیحت کی فرمائش کروں —“

غلاموں نے فوراً ہی بھلے کو چھوڑ دیا — وہ اپنی مخصوص شان بے نیازی سے گویا ہوا — ”ہارون — پچھلے خلیفوں کے محلوں اور ان قبروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کر — تو خوب جانتا ہے کہ یہ لوگ عرصہ دراز تک ان محلوں میں عیش و عشرت کی زندگی گزارتے رہے — اور اب قبروں میں پڑے پھتاتے اور افسوس کرتے ہیں کہ کاش — انھوں نے اپنی آخرت کے لیے کچھ نیک اعمال اپنے ساتھ لے لیے ہوتے — مگر اب انھیں اس پچھتاوے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا — ہم سب بھی جلد یا بدیر اسی انجام کو پہنچنے والے ہیں — جب یہ شاہی رعب و دبدبہ اور شان و شوکت کوئی کام نہیں دے گی —“

ہارون پر کیچی سی طاری ہو گئی — متأسف لہجے میں بولا — ”بھلے کچھ ایسے اعمال بتا جن کے بجالانے سے اللہ مجھ سے خوش ہو جائے۔“

”اس کی مخلوق کو خوش کر — وہ تجھ سے راضی ہو جائے گا۔“ بھلے نے جواب دیا —

”اب اس کی تدبیر بھی بتا دو کہ خلقِ خدا کو کس طرح خوش



”تو پھر میری خواہش اور آرزو یہی ہے کہ میری نصیحتوں پر عمل کرو۔ لیکن افسوس کہ دنیا کی شان و شوکت اور اقتدار کا نشہ بہت جلد میری ان نصیحتوں کو فراموش کر دے گا۔“ یہ کہتا ہوا وہ دربار سے باہر نکل گیا۔ ہارون اور اہل دربار جھکے ہوئے سروں کے ساتھ خاموش بیٹھے رہ گئے۔



بہلول اپنے ویران کھنڈر میں واپس آیا۔ تو دیکھا اس میں قدموں کے نشان ہیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کوئی یہاں آیا ہے۔ اس نے فوراً ایک خاص جگہ پر دیکھا۔ تازہ کھدی ہوئی مٹی جس کو ہموار کیا گیا تھا۔ بتا رہی تھی کہ اس کا اندیشہ درست تھا۔ اس نے اپنی چھڑی سے مٹی کو ہٹایا۔ اس کی جمع شدہ رقم غائب تھی۔ بہلول کچھ رقم کسی ہنگامی ضرورت کے لیے مٹی میں چھپا کر رکھتا تھا۔ غالباً کسی نے اسے رقم چھپاتے ہوئے تار لیا تھا۔ اس نے اپنی گڈری اٹھائی اور چل پڑا۔ اور نزدیک ہی واقع موچی کی دوکان پر پہنچا۔ اور بڑی خوش طبعی سے اُسے سلام کیا۔

”آؤ۔ آؤ بہلول۔!! کیسے آنا ہوا۔“ بے موچی نے

رکھا جاسکتا ہے۔“ ہارون نے پوچھا۔

”عدل و انصاف میں سب کو برابر کا درجہ دو۔ جو اپنے لیے مناسب نہیں سمجھتے۔ دوسروں کو بھی اس کا مستحق نہ سمجھو۔ مظلوم کی فریاد توجہ سے سُنو اور انصاف سے فیصلہ کرو۔“ بہلول نے بردباری سے کہا۔

”آفرین صد آفرین بہلول۔ مَرَحَبَا۔!! تم نے کیسی حق بات کہی ہے۔ مَرَحَبَا۔!! ہارون نے تو صیفی لہجے میں کہا۔ اس کی ہاں میں ہاں ملانے والے درباریوں نے بھی نعرہ ہائے تحسین بلند کیے۔

ہارون نے حکم شاہی جاری کیا۔ ”حکم دیا جاتا ہے کہ شاہی خزانے سے بہلول کے تمام قرض ادا کر دیے جائیں۔“ ہارون قرض سے بھی کبھی قرض ادا ہوا ہے۔ بہلول نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ ”شاہی خزانے میں جو کچھ ہے۔ وہ عوام کا مال ہے اور خلیفہ پر قرض ہے۔ تمہارا لیے یہی مناسب ہے کہ عوام کا قرض انھیں لوٹا دو۔ مجھے تمہارا یہ احسان نہیں چاہیے۔“

”تو پھر بہلول کوئی تو خواہش کرو۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ تمہاری کوئی آرزو پوری کروں۔“ ہارون نے زور دے کر کہا۔



خوشی سے پوچھا۔

”میں نے سوچا کہ تم سے مل آؤں۔ پھر تم سے ایک کام بھی ہے۔“ بھلّوں نے کہا۔

”کیسا کام؟“ مچی نے پوچھا۔

”تم ایک اچھے انسان ہو۔ مجھ جیسے دیوانے کے ساتھ بھی خوش اخلاقی سے پیش آتے ہو۔ میں تم سے ایک مشورہ لینا چاہتا ہوں۔“ بھلّوں نے کہا۔

”یہ تمہاری مہربانی ہے کہ تم ایسا سمجھتے ہو۔“ مچی نے خوش ہو کر کہا۔

بھلّوں ذرا قریب ہوا اور بولا۔ ”تم تو جانتے ہو کہ

میں ویرانوں، کھنڈروں اور خالی مکانوں ہی میں رہتا ہوں میں جہاں بھی رہا۔ وہاں تھوڑی بہت رقم اپنے بُرے وقت کے لیے بچا کر زمین میں دفن کر دی۔ تم ذرا حساب لگا کر مجھے بتا دو کہ یہ رقم کُل کتنی ہوتی ہے۔“

”ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔ تم بتاؤ۔ میں حساب کر دیتا ہوں۔“ مچی نے فراخ دلی سے کہا۔

”خدا تمہارا بھلا کرے۔ شہر کے مشرقی گوشے میں جو

کھنڈر ہے۔ وہاں میں نے شاید سو سکے دبا رکھے ہیں۔ قبرستان میں تقریباً ڈھائی سو سکے ہوں گے اور ایک مکان

کے صحن میں تو پورے پانچ سو ہیں۔ ہاں یاد آیا نہر کے کنارے بھی پچاس سکے دفن ہیں۔ تو یہ سب ملا کر کُل کتنے ہوئے؟“ بھلّوں نے پوچھا۔

”اگر یہ سکے سونے کے ہیں تو ان کی مالیت دو ہزار کے لگ بھگ ضرور ہے۔“ مچی نے حساب لگا کر بتایا۔

بھلّوں کچھ دیر سوچتا رہا پھر سر اٹھا کر بولا۔ ”یار۔ میں چاہتا ہوں کہ ان سب جگہوں سے وہ تمام سکے نکال لاؤں اور اس دیرانے میں چھپا دوں۔ یہاں آمد و رفت کم ہے۔ میرا خیال ہے یہ جگہ زیادہ محفوظ ہے۔“

یہ تو بہت اچھا خیال ہے۔ تمام رقم ایک جگہ رکھو تاکہ جب ضرورت پڑے تو نکالنے میں آسانی ہو۔“ مچی نے دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے مشورہ دیا۔

بھلّوں اپنی چھڑی کے سہارے اٹھا۔ ”اچھا تو بھائی میں چلتا ہوں۔ آج ہی یہ کام کر لوں تو اچھا ہے۔ سارے سکے نکال کر لے آؤں اور یہاں گاڑ دوں۔ میرے لیے دعا کرنا۔“

”ہاں۔ جاؤ۔ اللہ تمہارا نگہبان ہو۔“ مچی نے اسے التوا سے کہا۔

وہ چلا گیا۔ تو مچی نے سوچا کہ اس نے بھلّوں کے جو

سکے زمین کھود کر چراتے تھے۔ انہیں واپس رکھ آئے تاکہ جب

۸۹



بہلول سیدھا ہو بیٹھا۔ ”مجھے بھی اس عالیشان مکان کے مالک سے مل کر بے حد خوشی ہوتی ہے۔“  
”مجھے امید ہے کہ آپ اس ماہ کا کرایہ ادا کر دیں گے۔“  
مالک مکان نے کہا۔

بہلول نے مکان کی لرزتی ہوئی چھت اور شکستہ دیواروں کی جانب اشارہ کیا۔ ”جناب نے اپنے اس شاندار محل کی حالت ملاحظہ فرمائی ہے کہ ذرا سی ہوا چلے تو اس کی چھت اور دیواریں بولنے لگتی ہیں۔“

بے شک۔ بے شک۔! آپ درست فرماتے ہیں۔  
آپ جیسا بزرگ یہ بھی جانتا ہو گا کہ تمام موجوداتِ عالم خدا کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ یہ جو آواز آپ سُنتے ہیں یہ اس مکان کے تسبیح کرنے کی صدا ہے۔“ وہ بولا۔

بہلول نے اپنا عصا سنبھالا اور فوراً ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ ”حضرت! آپ جیسے دانشمند انسان کو یہ تو معلوم ہو گا کہ موجوداتِ حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل کے بعد سجدہ بھی کرتے ہیں اور میں آپ کے اس مکان کے سجدہ کرنے سے پہلے ہی یہاں سے رخصت ہو جانا چاہتا ہوں۔“ اس نے گڈڑی سنبھالی اور مکان سے باہر نکل آیا۔

بہلول اپنے باقی سکے لے کر آئے تو اسے شک نہ ہو۔ اور وہ اپنی باقی دولت بھی یہاں گاڑ دے۔ اس کے بعد وہ موقع دیکھ کر ساری رقم نکال لے گا۔

وہ جلدی سے گیا اور اسی جگہ بہلول کی رقم دبا کر واپس آگیا۔ بہلول کہیں شام کو واپس آیا۔ اس نے مٹی ہٹا کر اپنی رقم نکال لی اور وہ ویرانہ چھوڑ کر چلا آیا۔ موچی بچارہ اس کا انتظار ہی کرتا رہ گیا۔

وہ اپنی رقم نکال کر اس ویرانے سے نکلا اور کوئی دیر ٹھکانہ تلاش کرنے لگا۔ اتفاقاً اسے ایک شکستہ مکان نظر آیا۔ جو خالی پڑا تھا۔ تمام شہر جانتا تھا کہ وہ ویرانوں سے مانوس ہے۔ اور ایسی ہی جگہوں پر رہتا ہے۔ اس لیے عموماً کوئی اس سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ اس کی بے سرو سامانی ہی اس کا اثاثہ تھی۔ اس نے اس شکستہ مکان کا ایک گوشہ صاف کیا اور وہیں ڈیرا جمایا۔

ابھی اسے وہاں بسیرا کیے کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ٹوٹے ہوئے دروازے سے ایک شخص اندر داخل ہوا۔ اس نے سلام کیا اور بولا۔ ”واہ۔ واہ۔!! بہت خوب۔! یہ دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ بہلول جیسا نامور شخص میرا نیا کرایہ دار ہے۔“





ہارون نے اپنی سی بہت کوشش کی کہ کسی طرح بھلہوں پر گرفت کی جاسکے۔ لیکن اس کی حاضر دماغی، اس کی پُر حکمت گفتگو اور عوام کے ساتھ اس کی قربت نے اسے اس کا موقع نہیں دیا۔ وہ اپنے جاسوسوں کو اس کے پیچھے لگائے رکھتا تاکہ اس کی سرگرمیوں سے باخبر رہے۔ کسی وقت سختی سے اس کی باز پرس کرتا۔ لیکن اکثر مشکل موقعوں پر بھلہوں ہی کام آتا۔

ایک بار ایک سیاح بغداد میں آیا۔ اس نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا۔ ملکوں ملکوں گھومنا تھا۔ جب وہ ہارون کے دربار میں حاضر ہوا تو اس نے خلیفہ کے وزیروں اور دانشوروں سے کچھ سوالات کیے لیکن کوئی بھی ان کا جواب نہ دے سکا۔ ہارون اپنے مُقرّبین کی نالائقی پر بہت شرمندہ ہوا۔ سیاح رخصت ہوا تو وہ اپنے وزیروں اور مُشیروں پر برس پڑا۔ ”تم سب لوگ میرے لیے باعثِ ننگ و عار ہو۔ آج اس سیاح نے تمہیں کیسا عاجز کیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے تم اس کے مقابلے میں طفلِ مکتب ہو۔“ درباریوں کے سر شرم سے جھک گئے۔ ان کے پاس اپنی

صفائی میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ عتابِ شاہی اور جوش میں آیا۔ ”کل اس سیاح کو دربار میں طلب کیا جائیگا اگر تم لوگ اس کے سوالوں کے جواب نہ دے سکے تو تمہاری سب جائداد اور مال و دولت اس کے حوالے کر دیا جائے گا“

ہارون نے دربار برخواست کیا۔ درباریوں میں کھلبلی مچ گئی ان کی پریشانی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ سب ایک جگہ جمع ہو کر سوچنے لگے کہ بادشاہ کے عتاب سے کیوں کر بچا جاسکتا ہے۔ آخر ایک شخص کو اچانک یاد آیا اور وہ خوشی سے بولا۔ دوستو! اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ہمارے پاس بھلہوں جو موجود ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ سیاح کو جواب کر دے گا۔ اور اس کے سب سوالوں کے جوابات ٹھیک ٹھیک دے گا۔ باقی سب لوگوں کی بھی جان میں جان آئی۔ اور وہ سب مل کر بھلہوں کے پاس پہنچے۔ اسے تمام ماجرا سنایا۔ تو اس نے انھیں تسلی دی کہ وہ اگلے دن دربار میں پہنچ کر سیاح کے سوالوں کے جوابات ضرور دے گا۔

اگلے روز دربار آراستہ ہوا۔ وزیر، امیر، مُشرِ زریں کرسیوں پر بیٹھے۔ ہارون اپنے زرنگار تخت پر متمکن ہوا۔ سیاح کو بھی ایک کرسی پیش کی گئی۔ ہارون نے اہل دربار پر نگاہ ڈالی اور بولا۔ ”تم میں سے کون اس معزز سیاح



اور ایک حصے پر چھڑی رکھ کر کھٹکھٹائی۔ سیاح نے قدرے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور زمین پر اپنا ہاتھ اُلٹی طرف رکھ کر انگلیاں آسمان کی طرف اٹھا دیں۔ بھلّوں نے اُٹھ کر اپنا ہاتھ زمین پر اس طرح رکھا کہ اس کے ہاتھ کی پشت اُپر تھی۔

سیاح اپنی نشست پر آبیٹھا اور توصیفی لہجے میں بولا: ”مَرَحَبَا۔! آفریں۔! عالی جاہ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ کے یہاں ایسا دانشمند اور عالم موجود ہے جس پر فخر کیا جاسکتا ہے۔ ایسے شخص کی قدر کی جانی چاہیے۔“

”کیا بھلّوں نے تمہارے سب سوالوں کے جوابات ٹھیک ٹھیک دیے ہیں؟“ ہارون نے پوچھا۔

”یقیناً۔ اس نے کسی بہت عظیم درسگاہ سے تعلیم حاصل کی ہے جو اس کے پاس اتنا علم ہے کہ یہ میرے اشارے فوراً سمجھ گیا ہے۔“ سیاح بولا۔

بھلّوں مسکرایا۔ اس عظیم درسگاہ کا نام مت پوچھنا کیونکہ اسے سب جانتے ہیں۔“

بھلّوں کا اشارہ سب سمجھ رہے تھے۔ لیکن سیاح کچھ نہیں سمجھا اور چاہتا تھا کہ کوئی سوال کرے کہ ہارون نے فوراً پوچھ لیا۔ ”اگر تم ان اشاروں کو ذرا کھول کر بیان کرو تو اہل دربار بھی محفوظ ہو سکیں گے اور سیکھ بھی لیں گے۔“

کے سوالوں کا جواب دے گا۔“ اہل دربار نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا کہ بھلّوں کا نام کس طرح لیں۔ کہیں اس کا نام ہارون کو ناگوار نہ گزرے۔ کہ اسی وقت بھلّوں کی آواز گونجی۔ ”یہ دیوانہ حاضر ہے۔ اہل دربار کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔“ وہ اپنی لاٹھی پٹکتا۔ گدڑی شانے پہ ڈالے داخل دربار ہوا اور سیاح کے قریب جا بیٹھا۔

ہارون کچھ ہچکچایا۔ لیکن پہلو میں بیٹھے ہوتے وزیر نے اس کے کان میں کچھ کہہ دیا۔ جس سے اس کے چہرے پر اطمینان کی جھلک نظر آئی۔ سیاح نے بھلّوں کی ہیئتِ کدائی کی طرف دیکھا اور قدرے تعجب سے بولا۔ ”کیا میں آپ سے سوالات کروں؟“

”بَسْ وَچشم۔! بھلّوں نے مُستَعِدّی سے جواب دیا۔ وہ سیاح اٹھا اور اپنی چھڑی سے زمین پر ایک دائرہ کھینچ دیا۔

بھلّوں نے فوراً ہی اٹھ کر اپنے عصا سے اس دائرے کے درمیان میں ایک لکیر کھینچ کر اسے دو حصوں میں بانٹ دیا۔ سیاح کے چہرے پر مسکراہٹ آئی اور اس نے ایک اور دائرہ کھینچ دیا۔ بھلّوں نے اس مرتبہ دائرے کو چار حصوں میں بانٹا



سیاح بولا — ”آپ نے دیکھا کہ میں نے زمین پر دائرہ کھینچا تھا — میرا مقصد زمین کا گڑھ دکھانا تھا — آپ کا عالم فوراً سمجھ گیا اور اس نے دائرے کے دو برابر حصے کر کے مجھ پر ظاہر کر دیا کہ وہ زمین کے گول ہونے پر یقین رکھتا ہے اور اس کے اُسرار و رموز سے بھی واقف ہے — اس نے اس لکیر سے خط استواء کو دکھایا جس سے زمین شمالی اور جنوبی گزے میں بٹ گئی۔ پھر آپ نے دیکھا کہ میں نے ایک اور دائرہ کھینچا — آپ کے عالم نے اس کے چار حصے کر کے مجھے سمجھا دیا کہ زمین میں تین حصے پانی اور ایک حصہ خشکی ہے — اور جب میں نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے زمین پر اُگنے والی نباتات کی طرف اشارہ کیا تو اس نے بارش اور سورج کی نشاندہی کی جو نباتات کی بالیدگی اور نشوونما کا ذریعہ ہیں — میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ آپ کو ایسے دانشمند پر فخر کرنا چاہیے —“



ہارون کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بھلّوں ایک بے ضرر اور مفید انسان ہے — اس کی شگفتہ باتوں کی حکمت تفنّن طبع کا ذریعہ بھی بنتی تھی — وہ بغداد شہر کا ایک پسندیدہ اور ہر دل عزیز کردار تھا — جب بھی ہارون اس کے ساتھ سختی کرنا چاہتا — اس کی

شوخی میں چھپی ہوئی دانشمندی اسے صاف بچالے جاتی بھلّوں کی تمام زندگی اسی آنکھ مچولی میں گزری — ہارون کو کشش کرتا رہا کہ اُسے کسی طرح پھانس لے یا اس کا قصہ ہی تمام کر دے۔

مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے — بھلّوں اپنی دیوانگی کا لبادہ اوڑھے اس کے اور اس کے ذریعوں کے سامنے کھڑا انھیں آئینہ دکھاتا رہا — وہ اپنے پاگل پن کی آڑ میں نہ صرف اپنی جان بچاتا رہا — بلکہ انھیں علم و حکمت کی تعلیم بھی دیتا رہا اور اپنے جنون کا سہارا لے کر عوام کی مشکلیں حل کرتا رہا۔ ایک مرتبہ خراسان کا ایک مشہور فقیہ بغداد آیا۔ ہارون کو بھی اس سے ملاقات کا اشتیاق ہوا۔ اس نے اسے دربار میں بلایا۔ گرمجوشی سے اس کا خیر مقدم کیا اور بڑی قدر و منزلت کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ فقیہ اس عزّت افزائی پر بھولے نہیں سمارہا تھا اور ہارون پر اپنے علم کی دھاک بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک بھلّوں کہیں سے پھرتا پھرتا دربار میں آنکلا۔ اس نے سلام کیا — ہارون نے اسے بٹھانے کے لیے کہا۔ فقیہ نے اس کا معمولی لباس، بوسیدہ گڈڑی اور دھول میں آئی ہوئی جوتیاں دیکھیں اور قدرے حیرت سے بولا — ”آپ بہت مہربان اور فراخ دل ہیں کہ معمولی لوگوں کو بھی اپنے دربار میں جگہ



دیتے ہیں۔“

بہلول اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنا عصا کھٹکھٹاتا اُس کے قریب پہنچا اور بولا۔ ”قبلہ۔ گستاخی مُعاف آپ اپنے ناقص علم پر کیوں اِس قدر مغرور ہیں۔ آپ میری ظاہری حالت کا خیال نہ کیجیے اور میرے ساتھ علمی مباحثہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتیے تاکہ آپ کو پتہ چل جائے کہ آپ تو کچھ بھی نہیں جانتے۔“

فقّیہ نے ایک نگاہ غلط انداز اس پر ڈالی۔ ”میں نے سنا ہے کہ تو پاگل ہے اور میں پاگلوں سے مباحثہ نہیں کیا کرتا۔“ میں نے کب کہا کہ میں پاگل نہیں ہوں۔ میں تو اپنے پاگل پن کا خود اقرار کرتا ہوں۔ مگر آپ ہیں کہ آپ کو اپنی کم علمی کا کچھ پتہ ہی نہیں۔“ بہلول نے مزے سے کہا۔

ہارون نے قہر آلود نگاہوں سے بہلول کی طرف دیکھا۔ ”بہلول خاموش رہو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ یہ خراسان کے نامور فقّیہ ہیں۔“

”اِسی لیے تو میں چاہتا ہوں کہ یہ مجھ سے علمی مباحثہ کر لیں“ بہلول نے اطمینان سے کہا۔

ہارون بھی علمی مباحثوں اور مناظروں کا شائق تھا۔ وہ اس فقّیہ سے بولا۔ ”کیا مُضائقہ ہے۔ تمہیں بہلول کی دعوت قبول کر لینی چاہیے۔“

”تو پھر میری ایک شرط ہوگی۔“ فقّیہ بولا۔

”اجازت ہے۔ تم جیسی چاہو شرائط طے کر لو۔“ ہارون نے اجازت دی۔

فقّیہ بولا۔ ”میری شرط یہ ہے کہ میں بہلول سے ایک مَعمّہ پوچھوں گا۔ اگر اس نے درست جواب دے دیا۔ تو اسے ایک ہزار اشرفیاں دوں گا اور اگر یہ ناکام رہا۔ تو مجھے ایک ہزار اشرفیاں دینے کا پابند ہوگا۔“

بہلول مسکرایا۔ ”ہم فقیروں کے پاس مالِ دُنیا کہاں؟ ہاں میں خود کو آپ کے سپرد کر سکتا ہوں کہ آپ ایک غلام کی طرح مجھ سے کام لیں اور اپنی ایک ہزار اشرفی پوری کر لیں اور اگر میں ایک ہزار اشرفی جیت گیا۔ تو وہ تو ناداروں اور محتاجوں کا حصّہ ہے ہی۔ کہ امیر المومنین علی مَرضیٰ فرماتے ہیں کہ ”جہاں بھی دولت ضرورت سے زیادہ ہے۔ وہاں یقیناً کسی حق دار کا حق ضائع ہو رہا ہے۔“

”مجھے منظور ہے۔ اور کیا تم تیار ہو کہ میرا مَعمّہ حل کرو“ فقّیہ نے کہا۔

”بَسْرو حِشْم۔“ !!! بہلول نے جواب دیا۔

”عالی جاہ۔ آپ کی بھی اجازت ہے۔“ فقّیہ نے ہارون سے پوچھا۔



”اجازت ہے“۔ ہارون نے شاہانہ تمکنت سے کہا۔  
فقیہ نے اپنا منہ پیش کیا۔ ”ایک گھر میں ایک عورت  
اپنے شرعی شوہر کے ساتھ بیٹھی ہے۔ اسی گھر میں ایک شخص  
نماز پڑھ رہا ہے اور دوسرا روزے سے ہے۔ اچانک دروازہ  
پر دستک ہوتی ہے اور ایک ایسا شخص اندر داخل ہوا جس کے  
آجنانے سے شوہر اور بیوی ایک دوسرے پر حرام ہو گئے۔  
نماز پڑھنے والے کی نماز باطل ہو گئی اور روزہ دار کا روزہ بھی  
باطل ہو گیا۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ باہر سے آنے والا شخص  
کون ہے؟“

دربار میں سناٹا چھا گیا۔ لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے  
لگے۔ ”بہلول نے برجستہ کہا۔ ”گھر میں داخل ہونے والا شخص  
اس عورت کا پہلا شوہر ہے۔ جو سفر پر گیا ہوا تھا۔ جس کے  
بارے میں یہ خبر ملی تھی کہ دوران سفر انتقال کر گیا ہے۔ اس  
عورت نے حاکم شرع کی اجازت سے اسی مرد سے عقد کر لیا تھا  
جو اس کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ انھوں نے دو اشخاص کو اجرت  
دی تھی کہ وہ مرحوم شوہر کی قضا نمازیں ادا کریں اور روزے  
رکھیں۔ اسی اثنا میں پہلا شوہر سفر سے واپس آ گیا۔ کیونکہ  
اس کی موت کی خبر غلط تھی۔ چنانچہ اس کے آتے ہی دوسرا  
شوہر اس عورت پر حرام ہو گیا۔ ان دونوں اشخاص کی نماز اور

روزہ باطل ہو گئے۔ جو شوہر کو مردہ سمجھ کر اس کے لیے پڑھی  
اور رکھے جا رہے تھے۔“  
”مَرَجَبًا۔ ! مَرَجَبًا۔ !!! بہت خُوب۔ بہلول بعض اوقات  
تو تمھاری دیوانگی فرزانوں کو بھی مات دیتی ہے۔“ ہارون نے  
ستائش کی۔

باقی وزیر اور امیر بھی داد تحسین دینے لگے۔ شور کچھ کم  
ہوا۔ تو بہلول کہنے لگا۔ ”کیا عالی جاہ کی اجازت ہے کہ  
میں بھی حضرت فقیہ سے ایک سوال کروں۔“  
”اجازت ہے۔“ ہارون نے کہا۔

”کیا آپ تیار ہیں؟“ بہلول نے پوچھا۔  
”ضرور پوچھو۔“ فقیہ نے نخوت سے کہا۔  
”فرض کریں کہ ہمارے پاس ایک مٹکا شیرہ اور ایک  
مٹکا سرکہ موجود ہے۔ ہم اس سے سکنجبین تیار کرنے  
کے لیے ایک پیالہ سرکہ اور ایک پیالہ شیرہ مٹکوں میں سے  
نکالتے ہیں اور دونوں کو کسی برتن میں ملا دیتے ہیں۔ اس  
وقت پتہ چلتا ہے کہ اس میں تو ایک چوہا مرا پڑا ہے۔  
کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ مرا ہوا چوہا سرکہ کے مٹکے میں  
تھا یا شیرے کے مٹکے میں؟“

ہارون محفوظ ہوا۔ اہل دربار بھی مسکرائے۔ سب



کی نگاہیں فقیہ پر لگی ہوئی تھیں۔ کہ وہ اس معے کو کس طرح حل کرتا ہے۔ وہ گہری سوچ میں مُستغرق ہو گیا اور بہت دیر تک ایک لفظ بھی نہ بول سکا۔

ہارون اتنا انتظار نہ کر سکا اور بولا۔ ”بہلول نے تمہارا مُعّمہ حل کرنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا۔ تمہیں بھی اس کے سوال کا جواب اسی طرح دینا چاہیے۔“

فقیہ نادم سا ہو گیا۔ اس کی نگاہیں جھک گئیں۔ اسے اپنی کم علمی کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔

”عالی جاہ۔! میں یہ مُعّمہ حل نہیں کر سکتا۔“ اس کی پیشانی عرق آلود تھی۔

ہارون نے بہلول کی طرف دیکھا۔ ”بہلول۔ بہتر یہی ہے کہ تم خود اس مُعّمے کو حل کر دو۔“

بہلول مسکرایا۔ ”کیا حضرت فقیہ اب بھی اپنی ناچھی کے قائل ہوتے ہیں یا نہیں؟“

فقیہ بولا۔ ”بہلول تم نے مجھے احساس دلادیا ہے کہ علم کی کوئی حد نہیں۔ کسی کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اسے کم تر خیال نہیں کرنا چاہیے۔“

”تو سُنیے جناب کہ میں چاہیے کہ اس چوہے کو سکنجبین سے نکال کر اچھی طرح دھولیں۔ پھر اس کا پیٹ چاک کریں۔ اگر اس کے

پیٹ میں سرکہ ہوا۔ تو سمجھیں کہ وہ سرکے کے مٹکے میں تھا۔ اگر شیرہ ہوا۔ تو پھر اس نے شیرے میں ڈبکی لگا کر جان دی ہے۔ لہذا جو کچھ بھی اس کے پیٹ میں ہوا۔ اس شے کے مٹکے کو ضائع کر دینا چاہیے۔“

اہل دربار عیش و عشرت کر اٹھے۔ ہارون بہت محظوظ ہوا۔ اس نے بہلول کو آفرین کہی۔ فقیہ نے سر جھکایا اور ایک ہزار اشرفی اس کے سامنے ڈھیر کر دیں۔ بہلول نے تمام اشرفیاں سمیٹ کر اپنی جھولی میں ڈالیں اور محل سے باہر نکلتے ہی انہیں ضرورت مندوں میں بانٹنے لگا۔ جب وہ اپنے بسیرے پر پہنچا تو اس کی جھولی خالی تھی۔

چند دن نہیں گزرے تھے کہ ہارون نے بہلول کو طلب کیا۔ وہ اس کے محل میں پہنچا۔ تو دیکھا کہ وہ شراب کے نشے میں مخمور دجلہ کے کنارے اپنے شاندار محل کے جھروکے میں بیٹھا شور مچاتی لہروں کا تماشا دیکھنے میں محو ہے۔ بہلول کو دیکھتے ہی وہ نشے کی ترنگ میں بولا۔ ”بہلول۔ اس روز تو تو نے اس بچارے فقیہ کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ اتفاقاً تیرا داؤ لگ گیا تھا اور وہ احمق بھی نرا گاؤ دی نکلا۔ مگر آج میں تجھے عاجز کر کے رہوں گا۔ اور اس جھروکے میں سے تجھے دجلہ میں پھکوا دوں گا



اور تو اسی طرح دجلہ کی موجوں میں غوطے کھائے گا جس طرح تیرے مُعتمد میں چوہا شیرے اور سر کے مٹکے میں ڈبکیاں لگاتا رہا تھا۔  
”اور اگر میں نے مُعتمد بوجھ لیا تو“ — بھلُول نے کہا۔  
”تو پھر ایک ہزار اشرفیاں انعام میں ملیں گی“ — اس نے بڑی شان سے کہا۔

”جناب عالی — مجھے اشرفیوں کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔  
ہاں میری ایک اور شرط ہے اگر وہ منظور ہو۔ تو کوئی بات بھی ہے۔“ — بھلُول بولا۔

”بیان کرو“ — ہارون نے حکم دیا۔  
”اگر میں نے مُعتمد کا صحیح جواب دیا — تو اس کے بدلے میں سو قیدیوں کو رہا کرنا ہوگا۔ مگر وہ جن کے نام میں بتاؤں گا۔“ — بھلُول نے اپنی شرط پیش کی۔

ہارون ہنسا — ”یہ بات تو بعد کی ہے۔ مگر مجھے منظور ہے۔ پہلے تم مُعتمد تو بوجھ لو۔ دیکھو — تمہیں غوطے دلانے کے لیے دجلہ کی موجیں کتنی بے قرار ہیں۔“

”موجوں کی بے قراری کی زبان تو وہی سمجھ سکتے ہیں۔ جو دریاؤں کا رُخ موڑ دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ آپ اپنا مُعتمد پوچھیں۔“ — بھلُول نے کڑے لہجے میں کہا۔  
ہارون گویا ہوا — ”تو سنو۔ اگر کسی شخص کے پاس

ایک بکری، ایک بھیڑیا اور گھاس کا گٹھا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ دریا پار کرے۔ تو اُسے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ نہ بکری گھاس کو کھائے اور نہ بھیڑیا بکری کو۔“

بھلُول نے ایک لمحہ نہیں سوچا اور برجستہ کہا۔ ”اس شخص کو چاہیے کہ بھیڑیے اور گھاس کو کنارے پر چھوڑے اور بکری کو دریا کے پار لے جاتے۔ پھر وہ واپس آکر گھاس لے جائے اور گھاس کو تو اس کنارے پر چھوڑ دے۔ لیکن بکری کو واپس لے آئے۔ اب بکری کو تو اس کنارے پر چھوڑ دے۔ لیکن بھیڑیے کو پار لے جائے۔ واپس آکر وہ بکری کو لے جاسکتا ہے۔ اس طرح نہ بکری گھاس کھائے گی۔ نہ بھیڑیا بکری کو کھاسکے گا۔“  
ہارون حیران ہوا۔ ”بہت خوب۔“ — بھلُول آج تو ستارے تمہارے حق میں تھے۔“

”ستارے ناحق کچھ بھی نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ تو حق کو پہچانتے ہیں۔ اب عالی جاہ بھی میرے حق کو پہچانیں اور اپنا وعدہ پورا کریں۔“ — بھلُول نے جرات سے کہا۔

”درست۔“ — مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ تم مُنشی کو ان قیدیوں کے نام لکھوا دو۔ وہ داروغہ زندان کو دے دے گا، تاکہ ان قیدیوں کو رہا کر دے۔“ — ہارون نے فراخ دلی سے کہا۔  
بھلُول نے ان اشخاص کے نام لکھوا دیے اور چلا آیا۔



ہارون مسکرایا۔ ”اس دہوانے کے ساتھ یہی ہونا چاہیے۔“



ایک روز بھلّوں اپنے فقر کی شان میں مسّت قدم اٹھاتا۔ ہارون کے محل میں پہنچا اور بے باکی سے آگے بڑھتا۔ ہارون کے برابر جا بیٹھا۔ ہارون کے تخت اور غرور کو اس کی یہ ادا پسند نہیں آئی۔ اس نے سوچا کہ کسی طرح اس کو زنج کرے۔ اس لیے اس سے مخاطب ہو کر بولا۔

”کیوں بھلّوں۔ میرے مُعتمے کا جواب دو گے۔“

”ضرور دوں گا۔ بشرطیکہ آپ اپنے قول پر پورے آئیں اور پہلے کی طرح وعدہ خلافی نہ کریں۔“ بھلّوں نے واضح کیا۔ اور تم بھی سن رکھو کہ اگر تم نے میرے معنے کو فوراً حل کر لیا تو تمہارا انعام ایک ہزار اشرفی ہوگا۔ اور اگر تم جواب نہ دے سکے تو تمہاری ڈاڑھی کی خیر نہیں۔ اسے منڈوانے اور گرہ کی سواری کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

”میں نے اشرفیاں کیا کرنی ہیں۔ میری شرط تو کچھ اور ہے۔“ بھلّوں بولا۔

”شرط بیان کی جائے۔“ ہارون نے کہا۔

”میری شرط یہ ہے کہ اگر میں نے مُعتمے کو حل کر لیا۔“

ہارون کا نشہ اُترا۔ تو اس کے مُقرب نے اسے وہ فہرست دکھائی۔ جو بھلّوں نے لکھوائی تھی اور بولا۔

”حضور نے بھلّوں کے ساتھ کچھ زیادہ ہی فیاضی کا برتاؤ کیا ہے۔ اگر آپ اس فہرست کو ایک مرتبہ ملاحظہ فرمائیں تو بہت مناسب ہوگا۔“

ہارون نے فہرست دیکھی۔ تو ہوش میں آگیا۔ ”او بھلّوں تو کیسا غضب کا شریر اور فسادی ہے۔ یہ سب تو ان لوگوں کے نام ہیں۔ جنہیں بغاوت کے جرم میں قید کیا گیا ہے۔ یہ لوگ موسیٰ بن جعفر کے دوستدار ہیں اور خلافت ہاشمیوں کا حق سمجھتے ہیں۔“

”عالی جاہ۔! میں بھی اس فہرست کو دیکھ کر کھٹک گیا تھا۔ اس لیے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ حضور اس پر ایک نگاہ ڈال لیں۔ یہ سب کے سب تو باغی ہیں۔“ مُقرب نے کہا۔

”مگر ہم وعدہ کر چکے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ دیوانہ ہمیں بدنام کرے۔“ ہارون نے فکر مندی سے کہا۔

”اس میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ حضور دس آدمیوں کی رہائی کا حکم صادر فرمائیں۔ جن کا جرم ذرا کم سنگین ہے۔ صفر ہم ساتھ خود بڑھالیں گے۔“ مُقرب نے ہوشیاری سے کہا۔



بہلول نے حسبِ عادت فوراً جواب دیا — ”یہ درخت  
ہمیشہ، دن اور رات کا ہے۔ اس لیے کہ سال میں بارہ مہینے  
ہوتے ہیں۔ ہر مہینے میں تیس دن ہوتے ہیں۔ جو آدھے دن  
ہیں اور آدھے رات ہیں۔“

ہارون کو بے ساختہ داد دینی پڑی۔ اہلِ دربار بھی  
اس کی تعریف کرنے لگے۔



بہلول سربراہ کھڑا تھا۔ دیکھا کہ ہارون کی سواری آہی  
ہے۔ اس نے منہ کے گرد دونوں ہاتھ رکھے اور زور سے پکارا  
”ہارون۔ ہارون۔ ہارون۔ ہارون۔“

ہارون اس آواز پر چونکا۔ اسے غصہ بھی آیا۔ اس نے  
اپنے خدام سے پوچھا — ”یہ کون گستاخ ہے۔ جو مجھے اس طرح  
پکار رہا ہے۔“

”حضور۔ یہ دیوانہ بہلول ہے۔ معلوم ہوتا ہے آج  
اس کا دماغ بالکل ہی کام نہیں کر رہا۔“ کسی غلام نے بہلول  
کو بادشاہ کے عتاب سے بچانے کی کوشش کی۔

ہارون نے سواری ٹھہرانے کو کہا اور بولا — ”بلاؤ اس کو۔“  
بہلول قریب آیا تو غصے سے بولا — ”تو جانتا ہے کہ میں

تو عالی جاہ مکھیوں کو حکم دے دیں کہ وہ مجھے نہ ستایا کریں۔  
مکھیاں مجھے بہت تنگ کرتی ہیں۔“ بہلول نے بڑی سنجیدگی  
سے درخواست کی —

اہلِ دربار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔ لیکن وہ ہارون  
کے خوف سے ضبط کر گئے۔

ہارون بغلیں جھانکنے لگا اور اسے کہنا پڑا — ”کسی کسی  
وقت تو تمہاری عقل بالکل ہی خبط ہو جاتی ہے۔ مکھیاں تو  
میری مطیع نہیں ہیں۔ جو ان پر حکم چلاؤں۔“

”افسوس کہ ہمارا بادشاہ مکھیوں کے مقابلے میں بھی عاجز  
ہے۔ تو اس کے اقتدار کا کیا فائدہ؟“ بہلول نے مزاحیہ لہجے  
میں کہا۔

درباریوں کی آنکھوں سے حیرت اور ہنسی جھانکنے لگی۔  
وہ نظروں ہی نظروں میں بہلول کی اس جرأت کی داد دینے لگے  
ہارون بھی شرمندہ سا ہو گیا اور اس کے جواب میں کچھ بھی نہیں  
کہہ سکا۔ تو بہلول نے اس کی خفت مٹانے کو کہا — ”اچھا۔  
اب میں کوئی شرط نہیں رکھتا اور تمہارے معنے کا جواب دیتا ہوں۔“  
ہارون نے پوچھا — ”وہ کون سا درخت ہے۔ جس کی عمر

ایک سال ہے۔ اس میں بارہ شاخیں ہیں۔ ہر شاخ پتیس تیس  
پتے لگے ہیں اور ان پتوں کا ایک رُخ روشن ہے اور دوسرا تاریک؟“



کون ہوں۔“

”بالکل جانتا ہوں۔“ بھلّوں نے سر ہلایا۔ ”آپ ایسے انسان ہیں کہ اگر مشرق میں کسی کمزور پر ظلم ہوا۔ تو باز پرس آپ سے ہوگی۔“

ہارون لرز گیا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے۔ اس کا غصہ فرو ہو گیا اور وہ نرمی سے بولا۔ ”بھلّوں۔ تو نے ایسی بات کہی ہے۔ جو میرے دل پر جا کر لگی ہے۔ تیری کوئی حاجت ہو تو بیان کر۔“

”میری حاجت یہ ہے کہ آپ میرے گناہ معاف کر کے مجھے جنت میں داخل کر دیں۔“ بھلّوں نے کمال سنجیدگی سے کہا۔ گرد و پیش کھڑے لوگ مسکرانے لگے۔ ہارون نے اعتراف کیا۔ ”بھلّوں۔ تم نے ایسی بات کہی ہے جو میرے بس میں نہیں۔ ہاں میں تمہارے قرضے چکا سکتا ہوں۔“

”نہیں۔ آپ یہ بھی نہیں کر سکتے۔“ بھلّوں نے زور دے کر کہا۔

”کیوں۔“ ہارون نے ترشی سے سوال کیا۔

”ایک قرضہ دوسرے قرضے سے ادا نہیں ہو سکتا۔“

آپ تو خود عوام کے قرض دار ہیں۔ آپ ان کا قرض واپس کریں۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ ان کا مال مجھے دے ڈالیں۔“

بھلّوں کے انداز میں سچ تھا۔

ہارون مضطرب ہوا اور بات بدلنے کو بولا۔ ”تو پھر ٹھیک ہے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ تمہیں کچھ جائداد دے دی جائے تاکہ تمہاری گزر بسر سہولت سے ہو۔“

بھلّوں ہنسا۔ ”سب کا رازق خدا ہے۔ ہم سب بندے اسی سے وظیفہ پاتے ہیں۔ ایسا تو ممکن نہیں کہ وہ بادشاہ کو تو فراخی سے رزق عطا کرے اور اس دیوانے کو بھول جائے۔“

ہارون لاجواب سا ہو گیا اور بھلّوں سے بولا۔ ”میں امین اور مامون کے مکتب جا رہا ہوں۔ ذرا ان کے استاد سے ان کی تعلیم کی بابت معلوم کروں گا۔ آؤ۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔“

بھلّوں راضی ہو گیا اور سواری مکتب پہنچی۔ استاد دوڑا ہوا آیا اور ہارون کو سلام کیا۔ ”زہے نصیب کہ خلیفہ اس ناچیز کے مکتب میں تشریف لاتے ہیں۔“

”ہم امین اور مامون کی تعلیم کے بارے میں معلوم کرنے آتے ہیں کہ دونوں کیسے طالب علم ہیں۔“ ہارون نے کہا۔ ”جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔“ استاد بولا۔ ”ہاں تمہیں امان ہے۔ ہمیں دونوں کی تعلیمی کیفیت



صحیح صحیح بتاؤ۔“ ہارون بولا۔

”عالی جاہ۔ آپ کا بیٹا امین۔ عورتوں کی سردار  
فلک زبیدہ جیسی قابل اور ذہین خاتون کا بیٹا ہے۔ لیکن گند  
ذہن ہے۔ مگر اس کے برعکس آپ کا بیٹا مامون بہت ذہین  
دانشمند اور باوقار ہے۔“

”یہ تم نے عجیب بات کہی ہے۔ میں اسے تسلیم نہیں  
کر سکتا۔“ ہارون نے حیرت سے کہا۔  
”میں اس کا ثبوت ہٹا کر سکتا ہوں۔“ اُستاد نے جواب  
دیا۔

”یقیناً۔ تمہیں شہزادوں کے بارے میں اتنی بڑی بات  
بلا ثبوت نہیں کہنی چاہیے۔“ ہارون نے ناگواری سے کہا۔  
”میں نے یہ بات تجربے کے بعد کہی ہے۔“ اُستاد بولا۔  
اس وقت امین اور مامون تھوڑی تفریح لینے باہر گئے ہیں۔  
میں یہ کاغذ مامون کے بیٹھنے کی جگہ فرش کے نیچے رکھتا ہوں  
اور امین کے بیٹھنے کی جگہ کے نیچے یہ اینٹ رکھ رہا ہوں۔  
جب وہ آجائیں۔ تو آپ ملاحظہ فرمائیے گا کہ میری رائے کس  
حد تک درست ہے۔“

تھوڑی ہی دیر میں امین اور مامون واپس آگئے۔  
ہارون کو دیکھ کر دونوں حیران ہوئے اور اسے آداب کیا۔

ہارون نے انھیں بیٹھنے کی اجازت دی۔ تو دونوں اپنی اپنی جگہ  
جا بیٹھے۔ ہارون دونوں کا بغور مشاہدہ کر رہا تھا۔  
مامون بیٹھتے ہی کچھ مضطرب سا ہوا۔ اس نے کچھ پریشان  
سا ہو کر چھت کی طرف دیکھا۔ پھر دائیں بائیں دیکھا۔ اور کئی  
بار پہلو بدلا۔ اور بے چین سا نظر آنے لگا۔ اُستاد نے شفقت  
سے پوچھا۔

”کیوں مامون۔ خیریت تو ہے۔ میں تمہیں کچھ پریشان  
سا دیکھ رہا ہوں۔“

”اُستاد محترم۔ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ پر کچھ تبدیلی محسوس  
کر رہا ہوں۔“ مامون نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔  
”کیسی تبدیلی۔“ اُستاد نے پوچھا۔

”ایسا محسوس ہوتا ہے اُستاد محترم۔ جیسے میرے بیٹھنے  
کی جگہ ایک کاغذ بھر اُدچی ہو گئی ہے۔ یا چھت کاغذ بھر نیچی  
ہو گئی ہے۔“ مامون بولا۔

”امین۔ کیا تمہیں بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔  
جیسے تمہارا بھائی کہہ رہا ہے۔“ اُستاد نے امین کو مخاطب کیا۔  
”نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ امین نے جواب دیا۔  
اُستاد نے معنی خیز نگاہوں سے ہارون کی طرف دیکھا اور  
بولا۔ ”عالی جاہ پسند فرمائیں۔ تو دوسرے کمرے میں تشریف



رکھیں۔“

ہارون نے اجازت دی اور اُستاد کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا آیا۔ بھلُول بھی ان کے ہمراہ تھا۔ اُستاد نے مطمئن لہجے میں کہا۔ ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔“ کہ میں نے آپ کے سامنے اپنی رائے کا ثبوت بھی پیش کر دیا۔“

”حیرت ہے۔ حیرت ہے۔ امین کی ماں عرب کی ذہین عورتوں میں سے ہے۔ کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ لیکن اس کا بیٹا۔“ ہارون نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔ ”سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا سبب ہے۔“

”بھلُول آگے بڑھا۔“ اس کا سبب مجھے معلوم ہے۔ اگر عالی جاہ کو ناگوار نہ ہو۔ تو بیان کروں۔“ بیان کرو۔ میں سخت ترین الجھن میں ہوں۔“ ہارون سے کہا۔

بھلُول بولا۔ ”اولاد کی دانشمندی اور ذہانت کے اسباب دو ہیں۔ اول یہ کہ عورت اور مرد کے درمیان رغبت اور فطری خواہش ہو۔ تو ان کی اولاد ذہین، ہوشیار اور عقلمند ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ مرد اور عورت مختلف خُون اور نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔ تو ان کی اولاد میں عقل و دانش کی فراوانی ہوگی۔“ کوئی دلیل دو۔“ ہارون نے غور کرتے ہوئے کہا۔

”اس کی مثال درختوں اور جانوروں میں نظر آتی ہے۔ مثلاً اگر پھل کے درخت میں دوسرے پھل دار درخت کا پیوند لگایا جائے۔ تو نہایت لذیذ اور عمدہ پھل پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح گدھے اور گھوڑے کے ملاپ سے چچر پیدا ہوتا ہے جس کی ہوشیاری، طاقت اور پھرتی کا جواب نہیں۔ اب عالی جاہ سمجھ سکتے ہیں کہ۔ امین میں جو ذہانت کی کمی محسوس ہوتی ہے اس کا سبب اس کی والدہ اور آپ کی رشتہ داری ہے۔ جب کہ مامون کی ماں مختلف نسل اور قبیلے سے تعلق رکھتی ہے۔ خُون کے لحاظ سے آپ میں اور اس میں جو فرق ہے وہی سبب مامون کی ذہانت اور دانشمندی کا بھی ہے۔“ ہارون اس کی بات پر غور کرتا رہا۔ اُستاد بھی قائل نظر آتا تھا۔ لیکن مُنہ سے کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ کہ مبادا خلیفہ اسے گستاخی تصور کرے۔ ہارون نے بھلُول کی طرف دیکھا اور حسبِ عادت اس کے کمال کو کم تر کرنے کے لیے بولا۔ ”ہو نا تم دیوانے۔ پاگل بچا را ایسی باتوں کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا ہے۔“



ایک روز بھلُول دربار میں آیا۔ تو دیکھا علمِ نجوم پر گفتگو



”تَعُوذُ بِاللّٰهِ۔ عالی جاہ۔ یہ حقیر تو ایسا خیال بھی دل میں نہیں لاسکتا۔ میں نے تو اس لیے یہ کہا ہے کہ کہیں اہل دربار میں سے کوئی اسے جھوٹ یا غلط نہ سمجھے۔“ اس نے گھبرا کر جواب دیا۔

”اہل دربار میں ایسی حرکت کرنے کی جرات نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ہر حال میں جان بچانے کا حکم دیا ہے۔“ بھلُول نے چپکے سے کہا۔

”بتاؤ اس پر کتنا خرچ اُٹھے گا۔“ ہارون نے استفسار کیا۔

”عالی جاہ۔ اس کے لیے پچاس ہزار دینار درکار ہوں گے۔“ سیاح نے بتایا۔

”رقم دے دی جائے۔“ ہارون نے خزانچی کو حکم دیا۔ خزانچی نے اس کو رقم دے دی اور وہ روانہ ہو گیا۔ اس واقعے کو ایک عرصہ ہو گیا۔ مگر وہ لوٹ کر نہیں آیا۔ ہارون کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کوئی دھوکے باز تھا۔ جو اسے فریب دے کر رقم ہتھیا لے گیا ہے۔ ایک روز دربار میں اس شخص کا پھر تذکرہ ہوا۔ ہارون نے متاسف لہجے میں کہا۔ ”اُس شخص نے کیسے ہماری آنکھوں میں دھول جھونکی ہے۔ اگر وہ کہیں ہاتھ لگ جائے۔ تو اس سے کتنی گنا زیادہ رقم وصول

کی جائے گی۔ اور اس کم بخت کا سر کاٹ کر بغداد کے دروازے پر آویزاں کیا جائے گا تاکہ دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں۔“ بھلُول بھی دربار میں موجود تھا۔ وہ بے ساختہ ہنسنے لگا۔ ہارون نے خشمگین نظروں سے بھلُول کی طرف دیکھا۔ ”بھلُول اس بے موقع ہنسی کا سبب کیا ہے۔؟ کیا تم اس گستاخی کی وجہ بیان کر سکتے ہو۔“

بھلُول کی ہنسی نہیں رُکی۔ ”حضور مجھے ایک قصہ یاد آگیا ہے۔“

”کون سا قصہ۔؟“ ہارون نے استفسار کیا۔

بھلُول نے ہنسی روک کر کہا۔ ”اس دھوکے باز سیاح کا قصہ بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسا مُرنغ، بڑھیا اور لومڑی کا قصہ ہے۔“

”بیان کرو۔“ ہارون نے تحکم سے کہا۔

بھلُول بولا۔ ”قصہ کچھ یوں ہے کہ ایک جنگلی بلی نے ایک بڑھیا کا پالتو مُرنغ جھپٹ لیا۔ بڑھیا اس کے پیچھے دھانی دیتی ہوئی دوڑی۔ ارے۔ ارے۔ پکڑو۔ اس چوٹی بلی کو پکڑو۔ ظالم میرا دوسرا مُرنغ لے کر بھاگی جاتی ہے۔ ارے کوئی میری مدد کرو۔ اس بلی کو پکڑو۔ ہاتے میرا نازو کا پلا۔ مُرنغ۔ ارے یہ پورے دوسن کا ہے۔!“



بلی نے جو بڑھیا کا شور و غل سنا تو پریشان ہو گئی اور غصے سے بولی — ”دیکھو یہ بڑھیا کس قدر جھوٹ بول رہی ہے — یہ اتنا سا مرغ بھلا دو من کا ہے —“

اتفاقاً ایک لومڑی قریب سے گزر رہی تھی — وہ بلی سے بولی — ”بہن تم کیوں پریشان ہوتی ہو — ذرا مرغ کو مجھے دو — میں ابھی تول کر بتا دیتی ہوں کہ یہ دو من کا ہے یا نہیں۔“ بلی نے مرغ لومڑی کو دے دیا — اس نے مرغ دبوچا اور یہ کہہ کر غائب ہو گئی کہ — ”بہن بلی — بڑھیا سے کہہ دینا کہ اس کا مرغ تین من کا ہے —“

ہارون اپنی مہنسی نہیں روک سکا — اہل دربار بھی مسکرانے لگے — ہارون بولا — ”بھلول تمہارے اس قصے نے ہماری افسردگی کو زائل کر دیا ہے —“



خلیفہ ہارون رشید اپنی ملکہ زبیدہ کے ہمراہ شطرنج کھیل رہا تھا — بھلول بھی قریب بیٹھا تھا — اسی وقت چوب دار نے صدا دی — ”ایک شکاری باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔“ ”اجازت ہے —“ ہارون نے اجازت دی —

شکاری اندر آیا اور زمین چوم کر بولا — ”میں خلیفہ کے لیے

ایک بہت عمدہ مچھلی لے کر آیا ہوں —“

ہارون نے زبیدہ سے کہا — ”یہ انعام کی آس میں میرے پاس یہ بدیہ لایا ہے — اسے انعام میں چار ہزار درہم دے دیے جائیں تو کیا مناسب رہے گا —“

زبیدہ بولی — ”نہیں عالی جاہ — شکاری کا یہ منصب نہیں کہ اسے اتنا زیادہ انعام دے دیا جائے — آپ فوجیوں اور معزز شہریوں کو بھی انعام و اکرام عطا کرتے ہیں — اگر آپ انہیں اس سے کم دیں گے — تو وہ شکوہ کریں گے کہ ہم شکاری کے برابر بھی نہیں — اگر زیادہ دینے کی رسم پڑ گئی — تو خزانہ خالی ہو جاتے گا —“

یہ بات ہارون کے دل کو لگی اور وہ بولا — ”مگر اس کو کچھ تو دینا ہے —“

”تو آپ اس طرح کریں کہ شکاری سے پوچھیں کہ یہ مچھلی زہے یا مادہ — اگر وہ کہے مادہ ہے — تو کہیں ہمیں یہ پسند نہیں — اور اگر وہ کہے زہے — تو بھی آپ کہہ دیں کہ یہ ہمیں نہیں چاہیے — اس طرح وہ مچھلی واپس لے جائے گا اور انعام بھی نہیں دینا پڑے گا —“ زبیدہ نے تجویز پیش کی —

بھلول نے آہستگی سے کہا — ”شکاری اتنی دور سے بڑی آس لے کر آیا ہے — یہ مناسب نہیں کہ ملکہ کی باتوں میں



اگر آپ اسے نامراد لوٹا دیں اور وہ رنجیدہ ہو۔  
ہارون نے بھلّوں کی بات پر توجّہ نہیں دی اور چوہدار سے  
بولا۔ ”شکاری کو ہماری خدمت میں پیش کرو۔“  
شکاری قریب آیا تو ہارون نے سوال کیا۔ ”اے شکاری  
کیا تو بتا سکتا ہے کہ یہ مچھلی نر ہے یا مادہ۔“  
شکاری تعظیماً جھکا اور بولا۔ ”عالی جاہ! نہ یہ نر ہے  
نہ مادہ۔ یہ مچھلی تو مُخَنَّث ہے۔“

ہارون بے ساختہ ہنسنا اور بولا۔ ”تمہاری حاضر جوابی  
ہمیں پسند آئی۔ تمہیں چار ہزار درہم انعام میں دیے جائیں  
گے۔“

”حضور کا اقبال بلند ہو۔“ شکاری درہم لے کر دعائیں  
دیتا ہوا رخصت ہوا۔

جب وہ محل کی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ تو ایک درہم زمین  
پر گر پڑا۔ شکاری رگ گیا اور اس نے درہم اٹھا کر جیب میں  
رکھ لیا۔

ہارون اور زُبیدہ بھی اُسے دیکھ رہے تھے۔ زُبیدہ جو  
اتنی رقم جانے پر افسردہ سی تھی۔ ہارون سے بولی۔ ”عالی جاہ  
آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ شکاری کس قدر لالچی اور کمینہ ہے۔  
اس نے ایک درہم بھی نہیں چھوڑا۔ کیا حرج تھا اگر اسے محل کا

کوئی اور مُلّا زِم ہی اُٹھالیتا۔“  
ہارون کو بھی ملکہ کی بات لائق توجّہ محسوس ہوئی۔ اس نے  
پُکار کر کہا۔ ”شکاری کو بلایا جائے۔“  
قریب بیٹھے ہوئے بھلّوں نے دبی زبان میں کہا۔ ”عالی جاہ  
ملکہ کے کہنے پر شکاری کو نہ روکیے۔“  
ہارون نے توجّہ نہیں دی۔ تب تک چوہدار شکاری کو بلالایا  
اور ہارون کی خدمت میں پیش کیا۔

ہارون بولا۔ ”اے صیّاد! ہمیں تیری یہ حرکت بہت  
ناگوار گزری ہے۔ کہ تیرے پاس چار ہزار درہم موجود ہیں۔ اگر  
ان میں سے ایک گر گیا تھا۔ تو تو نے یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ  
اسے چھوڑ دے۔ شاید وہ کسی غریب کو مل جائے اور وہ اس  
سے اپنا کام نکال لے۔“

شکاری تعظیماً جھکا اور بولا۔ ”جان کی امان پاؤں تو  
کچھ عرض کروں۔“

”آمان ہے۔“ ہارون نے آمان دی۔  
شکاری مُوَدَّب لہجے میں بولا۔ ”حضور یہ ناچیز پست  
فطرت نہیں ہے۔ بلکہ نمک کی قدر کرنا جانتا ہے۔ میں نے  
اس لیے وہ درہم اُٹھالیا تھا کہ اس کے ایک طرف آیاتِ قرآنی  
کندہ ہیں اور دوسری جانب آپ کا اسمِ گرامی۔ میں نہیں چاہتا



بہلول کچھ دیر چپکا بیٹھا رہا۔ پھر حکیم سے بولا۔ ”آپ کیا کام کرتے ہیں؟“

حکیم اس کی ہینٹ کڈائی دیکھ کر اسے پاگل سمجھا اور اس کی ہنسی اڑانے کو بولا۔ ”جناب۔ میں حکیم ہوں اور میرا کام مردوں کو زندہ کرنا ہے۔“

دربار میں دبی دبی ہنسی کی آواز سنائی دینے لگی۔ بہلول نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بڑے مزے سے بولا۔ ”جناب حکیم صاحب قبلہ۔ براتے کرم آپ زندوں کے حال پر رحم کریں اُن کی جان بخشی کر دیں۔ باقی رہے مردے۔ تو ان کو زندہ کرنا آپ کا ہدیہ ہے۔“

دبی دبی ہنسی قہقہوں میں بدل گئی۔ ہارون بھی ان میں شامل تھا۔ حکیم اتنا خجل ہوا کہ واپس یونان چلا گیا۔

۱۸

ہارون نے محفل مے نوشی سجا رکھی تھی۔ وزیر امیر بیٹھے تھے مسلمانوں کا خلیفہ کنیزوں کے ہاتھوں سے جام مے لے کر خم کے خم لٹھا رہا تھا۔ کہ بہلول بھی وہاں آ پہنچا۔ اس نے خلیفہ کی حرکتوں کو خاموش نگاہوں سے دیکھا تو ہارون کو اس کی نصیحتیں یاد آئیں۔ نشے کی ترنگ میں اس نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ

تھا کہ یہ زمین پر پڑا رہے اور کسی کے پاؤں تلے آجائے۔ اور بے ادبی ہو۔“

خلیفہ کو اس کی حاضر جوابی نے محظوظ کیا۔ اُس نے خوش ہو کر حکم دیا۔ ”شکاری کو چار ہزار درہم اور دیے جائیں۔“

شکاری رخصت ہو گیا۔ تو بہلول نے کہا۔ ”عالی جاہ! کیا میں نے آپ کو نہیں روکا تھا کہ شکاری کو واپس نہ بلاتیں۔“ ہارون ہنسا۔ ”بہلول آج تو میں نے تجھ سے بھی زیادہ دیوانگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ تم نے مجھے دونوں بار روکا۔ لیکن میں نے توجہ نہیں دی۔ اور ملکہ کی بات پر کان دھرنے کا یہ نقصان ہوا کہ چار ہزار کے بجائے آٹھ ہزار درہم خزانے سے گئے۔“

۱۷

کہتے ہیں کہ ایک بار ہارون نے یونان سے کسی حکیم کو بلوایا۔ جب وہ بغداد پہنچا۔ تو ہر طرف اس کا شہرہ ہو گیا۔ ہارون نے اسے دربار میں بڑی عزت دی۔ جس کی وجہ سے اس کے امراء اور معززین شہر حکیم سے خاص طور پر ملنے کے لیے دربار گئے۔ بہلول کو بھی خبر ہوئی۔ وہ بھی اپنی دیوانگی کا لباس پہنے دربار میں جا پہنچا۔ دیکھا کہ حکیم دربار میں بڑی شان سے بیٹھا ہے وزیر امیر اس کی تعریفوں کے پُل باندھ رہے ہیں۔



بُہلول کوئی ایسی بات کہہ دے۔ جو اس کا سر جھکا دے۔ وہ پہل کرے۔ اس نے بُہلول کو دیکھا اور بولا۔  
 ”بُہلول۔ میرے ایک سوال کا جواب دو گے۔“  
 ”میں تیار ہوں۔“ بُہلول نے جواب دیا۔  
 ”بُہلول۔ یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص انگور کھا رہا ہو تو کیا حرام ہے۔“ ہارون نے سوال کیا۔  
 ”نہیں۔ بالکل نہیں۔“ بُہلول نے کہا۔  
 ”اگر وہ انگور کھا کر پانی پی لے۔ تو۔“ ہارون بولا۔  
 ”کوئی حرج نہیں۔“ بُہلول نے بتایا۔  
 ”اب یہی شخص انگور کھانے اور پانی پینے کے بعد دھوپ میں بیٹھ جائے تو پھر۔“ ہارون نے پوچھا۔  
 ”کوئی مضائقہ نہیں۔ جتنی دیر چاہے بیٹھے۔“ بُہلول نے جواب دیا۔  
 ”تو پھر بُہلول۔ تم خود ہی بتاؤ کہ یہی انگور اور پانی۔ کچھ عرصہ دھوپ میں رکھ دیے جائیں۔ تو حرام کیوں ہو جاتے ہیں؟“ ہارون نے بڑے فخر سے اپنا فلسفہ بیان کیا۔  
 ”اگر اجازت ہو تو میں بھی خلیفہ سے چند سوال کر لوں۔ امید ہے ان ہی سوالات میں خلیفہ کو اپنے سوال کا جواب بھی مل جائے گا۔“ بُہلول نے اطمینان سے کہا۔

”اجازت ہے۔“ ہارون جھومتا ہوا بولا۔  
 بُہلول بولا۔ ”کیا عالی جاہ بتائیں گے کہ اگر کسی آدمی کے سر پر تھوڑی سے مٹی ڈال دی جائے۔ تو کیا اسے کوئی نقصان پہنچے گا۔؟“  
 ”نہیں۔“ خلیفہ نے فوراً جواب دیا۔  
 ”اس کے بعد اس کے سر پر تھوڑا سا پانی ڈال دیں۔ تو کیا اس شخص کو کوئی تکلیف ہوگی۔؟“  
 ”نہیں۔ بالکل نہیں۔“ ہارون بولا۔  
 ”لیکن۔!! بُہلول نے اسے متوجہ کیا۔ ”اگر اس مٹی اور پانی کو ملا کر اینٹ بنالی جاتے اور وہ اس شخص کے سر پر ماری جائے۔ تو کیا کوئی نقصان ہوگا۔؟“  
 ”تم بھی عجیب باتیں کرتے ہو بُہلول۔“ خلیفہ ہنسنا۔ ”اس کا تو سر چھٹ جائے گا۔“  
 ”تو پھر عالی جاہ۔ غور فرمائیں تو انھیں معلوم ہوگا کہ جس طرح مٹی اور پانی مل کر انسان کا سر چھوڑ سکتے۔ اسی طرح انگور اور پانی مل کر بھی ایسی چیز بنا دیتے ہیں۔ جو حرام اور ناپاک ہے۔ جس کے پینے سے انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔ اسے بُرے بھلے کی تمیز نہیں رہتی۔ اسی لیے اسلام نے اس کے پینے والے پر سزا واجب کی ہے۔“



ہارون کا نشہ ہرن ہو گیا۔ وہ مضطرب ہو کر اٹھا اور  
پشیمانی سے بولا۔  
”شراب کی یہ محفل درخواست کی جاتی ہے۔“

ایک روز ہارون حمام گیا۔ تو بھلّوں بھی ہمراہ تھا۔  
ہارون کو مذاق سوچا۔ تو بھلّوں سے بولا۔ ”بھلّوں۔ اگر میں  
غلام ہوتا۔ تو میری کیا قیمت لگتی؟“  
بھلّوں نے بہت مزے سے کہا۔ ”عالی جاہ۔ صرف  
پچاس دینار۔“

خلیفہ کو اس کی امید نہیں تھی۔ اس کا نازک شاہی  
مزاج بگڑا۔ ”ہو نا تم دیوانے۔ انسان کی قدر و قیمت کا  
تو تمہیں اندازہ ہی نہیں۔ احمق جانتے ہو کہ یہ تہمد جو میں نے  
پہن رکھی ہے۔ پچاس دینار تو صرف اس کی قیمت ہے۔“  
”میں نے بھی تو صرف تہمد کی ہی قیمت لگائی ہے سرکار!  
ورنہ خلیفہ کی کوئی قیمت نہیں ہے۔“ بھلّوں نے ہنس کر کہا۔

۱۹

خلیفہ بڑے تزک و احتشام سے شکار پر روانہ ہوا۔ امیر  
وزیر ہمراہ تھے۔ غلام تیر کمان اٹھائے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

بھلّوں بھی موجود تھا۔ اچانک ایک ہرن نظر آیا۔ خلیفہ نے فوراً  
کمان اٹھائی اور ہرن کا نشانہ لے کر تیر چھوڑا۔ لیکن نشانہ خطا  
گیا۔ ہرن چو کڑیاں بھرتا ننگا ہوں سے اوجھل ہو گیا۔  
”بہت خوب۔! بہت خوب۔!!! سبحان اللہ۔“ بھلّوں

نے بے ساختہ داد دی۔  
خلیفہ کو ناگوار گزرا۔ غصے سے بولا۔ ”بھلّوں۔ تو میرا  
مذاق اڑا رہا ہے۔“

”نہیں عالی جاہ۔ یہ ناچیز تو ایسی جسارت کرنے کا تصور  
بھی نہیں کر سکتا۔“ بھلّوں نے عاجزی سے کہا۔  
”تو پھر یہ داد کس کو دے رہے تھے؟“ ہارون نے دہشتی

سے پوچھا۔  
”جہاں پناہ۔ میں نے ہرن کو داد دی ہے کہ وہ آپ کے  
تیر سے کتنی خوب صورتی سے بچا ہے۔“

۲۰

بھلّوں اکثر قبرستان میں بیٹھا رہتا تھا۔ ایک روز ہارون  
کا اسی طرف سے گزر ہوا۔ بھلّوں پر نگاہ پڑی۔ تو سواری  
ٹھہراتی اور بولا۔ ”بھلّوں۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟“  
”میں ایسے لوگوں کی ملاقات کو آیا ہوں۔ جو نہ لوگوں کی



ہے — میرا لباس کیا ہے اور میری خوراک کیا ہے — اس کے بعد اسی طرح آپ بھی تو بے پرکھڑے ہو کر اپنا تعارف کرائیں۔  
ہارون کو کچھ تاامل تو ہوا — لیکن اس نے منظور کر لیا اور  
بہلول سے بولا — ”چلو — تم پہل کرو“ —

بہلول تیزی سے تو بے پرکھڑا ہو گیا اور جلدی سے بولا —  
”بہلول، خرقہ، جو کی رولی اور سرکہ“ — یہ تین لفظ کہہ کر وہ جھٹ  
تو بے نیچے اتر آیا — ان چند لمحوں میں اس کے پیر جلنے سے  
محفوظ رہے —

اب ہارون کی باری آئی — وہ تو بے پرچڑھا — اور شاہی  
القاب کے ساتھ ابھی اپنا نام بھی نہیں بتایا تھا کہ اس کے پیر  
جلنے لگے — وہ گرتا پڑتا تو بے نیچے اتر آیا اور بولا —  
”بہلول — تم نے مجھے کس عذاب میں ڈال دیا تھا“ —  
بہلول مسکرایا — ”آپ نے ہی تو فرمائش کی تھی کہ آپ کو

قیامت کے سوال و جواب کے بارے میں بتایا جائے — تو آپ  
نے دیکھا — کہ گرم تو بے پر قدم رکھنا کتنا مشکل ہے — اسی طرح  
جو لوگ خدا پرست ہیں — دُنیا کے جاہ و خشم سے دُور ہیں —  
لاالچ اور طمع نہیں رکھتے — وہ تو پیل صراط پر سے آرام کے ساتھ گزر  
جاتے ہیں گے — اور جو دُنیاوی شان و شوکت میں ڈوبے ہوئے ہیں  
انہیں اسی طرح عذاب سے گزرنا ہوگا جس طرح ابھی آپ کو محسوس ہوا“ —

غیبت کرتے ہیں — نہ مجھ سے کوئی امید یا توقع رکھتے ہیں اور  
نہ کسی کو کوئی تکلیف دیتے ہیں“ — بہلول نے وضاحت کی —  
ہارون نے گہرا سانس لیا — ”بہلول کیا تم مجھے پیل صراط سے  
سے گزرنے اور اُس دُنیا میں سوال و جواب کی کچھ خبر دے سکتے ہو؟“  
”یقیناً — لیکن اس کے لیے تھوڑا ہتہام کرنا ہوگا — کیا  
عالی جاہ اس کا انتظام کر دیں گے“ — ؟ بہلول نے کہا —  
”ہاں — ہاں — تم بتاؤ — میں ابھی حکم دیتا ہوں“ —  
ہارون نے جواب دیا —

”پھر عالی جاہ — اپنے ملازموں کو حکم دیں کہ وہ یہاں آگ  
جلاتیں — اس پر ایک بڑا توار رکھیں — اس تو بے کو گرم ہو کر  
سُرخ ہو جانے دیں“ — بہلول نے بتایا —  
”بہلول کی فرمائش پوری کی جائے“ — ہارون نے فرمان  
شاہی جاری کیا —

ملازموں نے فوراً آگ جلائی — توار لایا گیا اور گرم ہونے  
کے لیے آگ پر رکھ دیا گیا — لوگوں کی نظریں اسی جانب تھیں  
اور حیرت سے سوچ رہے تھے کہ اس سے بہلول کا کیا مقصد  
ہے — یہاں تک کہ توار خوب گرم ہو گیا —

بہلول نے کہا — عالی جاہ — پہلے میں اس تو بے پر ننگے  
پاؤں کھڑا ہوں گا اور اپنا تعارف کراؤں گا — یعنی میرا نام کیا





بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز ہارون کا وزیر فضل بن ربیع ایک راستے پر گزر رہا تھا۔ دیکھا کہ بھلّوں ایک طرف بیٹھا۔ کچھ سوچ رہا ہے۔ فضل نے اس کا نام لے کر اُسے پکارا۔ ”بھلّوں۔ کیا سوچ رہے ہو۔“

بھلّوں نے چونک کر سر اٹھایا۔ دیکھا کہ فضل بن ربیع کھڑا ہے۔ بولا۔ ”تیرے انجام کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔“ فضل چونک گیا۔ ”کیوں۔ خیریت تو ہے بھلّوں۔“ سارے وزیر ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا انجام بھی ملتا جلتا ہی ہوتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تیرا بھی انجام جعفر برمکی کا سا نہ ہو۔“

فضل کانپ گیا اور بولا۔ ”بھلّوں میں نے جعفر برمکی کے بارے میں سنا تو ہے۔ لیکن دوسرے لوگوں کی زبانی نہ جانے اس میں کتنا جھوٹ ہے اور کتنا سچ۔ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے اس کے بارے میں بتا کہ آخر ہارون نے اس کے قتل کا حکم کیوں دیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس میں میرے لیے بھی کوئی سبق ہو۔“

بھلّوں نے کہا۔ ”تو پھر بیٹھ جا اور کان دھر کر سن۔“

فضل بیٹھ گیا اور بھلّوں نے کہنا شروع کیا۔ ”تم جانتے ہو نا کہ منصور کے بیٹے مہدی کے زمانے میں خالد برمکی کا بیٹا یحییٰ برمکی ہارون رشید کا کاتب مقرر ہوا تھا۔“ فضل نے ہنکارا بھرا۔ ”ہاں۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ہارون یحییٰ اور اس کے بیٹے جعفر کی لیاقت دیکھ کر انھیں بہت پسند کرنے لگا تھا۔“

”بادشاہ کی پسند و ناپسند ہمیشہ زوال کا باعث بنتی ہے ہارون کو جعفر برمکی کے ساتھ اتنی محبت ہو گئی کہ اس نے اپنی ہمیشہ عباسہ کا نکاح جعفر برمکی سے کر دیا۔ لیکن اسے یہ بھی تاکید کر دی کہ وہ عباسہ کو اپنی بیوی نہ بنائے۔ اور خلیفہ کی بہن سمجھ کر اس پر دست درازی کی کوشش نہ کرے۔ جعفر برمکی نے قول تو دے دیا۔ لیکن اس پر پورا نہ اتر سکا۔ اس کی اطلاع ہارون کو بھی ہو گئی۔ اور اس کی محبت دشمنی میں بدل گئی۔“ اس نے اپنے غلام مسرور سے کہا۔ ”آج تمہارے سپرد ایک اہم کام ہے۔ جس کی تکمیل ہر صورت میں ہونی چاہیے۔ مسرور نے سر تسلیم خم کیا تو ہارون بولا۔ آج رات جعفر برمکی کا سر کاٹ کر ہماری خدمت میں پیش کرو۔“

مسرور ہک بک رہ گیا۔ اس کی زبان گنگ ہو گئی اور اس کا سر جھک گیا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر ہارون



نے کڑے لہجے میں کہا — ”مسرور — تو پریشان کیوں ہو گیا ہے کس سوچ میں پڑ گیا ہے؟“  
 مسرور نے ڈرتے ڈرتے کہا — حضور — یہ امرِ عظیم ہے سوچتا ہوں کہ کاش آپ نے اس کام کے لیے مجھے منتخب نہ کیا ہوتا۔“

”تو گویا — تو اپنی موت کو آواز دینا چاہتا ہے۔ اور اسی موت جس پر پرندے بھی آنسو بہاتیں“ — ہارون نے غضبناک لہجے میں کہا —

تو مسرور کے پاس اس کے سوا چارہ کار نہیں تھا کہ اس کے حکم کی تعمیل کرے — وہ سر جھکائے ہوئے جعفر برمکی کے یہاں پہنچا اور اسے تمام ماجرا کہہ سنایا۔

جعفر برمکی بے حد پریشان ہوا — اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی — لیکن اُس نے امید کا سہارا لیا اور مسرور سے بولا — ”مسرور — کیا خبر کہ خلیفہ نے یہ حکم شراب کے نشے میں دیا ہو — اور جب وہ ہوش میں آتے — تو اسے پچھتاوا ہو اس لیے میری مان اور خلیفہ کے پاس جا — اور اسے اطلاع دے دے کہ تُو نے مجھے قتل کر دیا ہے — اگر وہ افسوس کا اظہار نہ کرے تو تجھے اختیار ہے — شوق سے آکر میرا سر کاٹ لے۔“  
 مسرور خلیفہ کی طبیعت سے واقف تھا — وہ اس کے حکم

سے سرتابی کر کے خود مصیبت میں گرفتار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ وہ جعفر سے بولا — ”آپ میرے ہمراہ ہارون کے محل تک چلیں ہو سکتا ہے آپ کی محبت خلیفہ کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دے“ جعفر کو مجبوراً اس کی بات ماننا پڑی — اس کے دل میں امید کی تھوڑی سی جو رُمق باقی تھی — وہ اس کے سہارے مسرور کے ساتھ چل پڑا — مسرور نے جعفر کو پردے کے پیچھے کھڑا کیا اور خود لرزتا کانپتا خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا — اُسے دیکھتے ہی ہارون نے کہا — ”مسرور — کیا تم نے میرے حکم کی تعمیل کی ہے؟“

مسرور گھبرا گیا — اور جلدی سے بولا — ”عالی جاہ — جعفر برمکی میرے ساتھ آیا ہے — وہ پردے کے پیچھے کھڑا ہے —

وہ —“  
 ”مسرور یاد رکھ کہ — اگر تُو نے میرے حکم کی تعمیل میں ذرہ برابر بھی سُستی کی — تو جعفر سے پہلے تیرا سراڑٹا ہوا نظر آئے گا۔“

مسرور کو اپنی جان پیاری تھی — اُس نے لپک کر پردہ اٹھایا اور تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ وجیہ و حسین نوجوان کا سر تن سے جدا ہو گیا — پھر اس نے اس جوانِ رعنا کا سر ہاتھ میں لیا — جو شرافت اور دانشمندی کی تصویر تھا — جس کی فیاضی



اور سخاوت سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ اُسے اپنے سر پر رکھا اور ہارون کے سامنے پیش کر دیا۔

”بے رحم خلیفہ کو اس پر بھی تسلی نہیں ہوئی اور اس نے حکم دیا کہ برمکیوں کے پورے خاندان کا نام و نشان مٹا دیا جائے ان کا مال و اسباب قرق کر لیا جاتے۔ جعفر کی لاش بغداد کے قلعے پر لٹکا دی گئی اور چند دن بعد اُسے جلا دیا گیا۔“  
”اے فضل۔!!! وزارت کا یہی انجام ہوا کرتا ہے۔ اس لیے محتاط رہو اور عوام کی بھلائی کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔“  
فضل کانپ گیا اور پریشانی سے بولا۔ ”بہلول مجھے سلامتی کی دعا دو۔“

فضل بن رزیح نے بغداد میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ وہ اپنے خرچ پر اُسے بنواتا رہا۔ جب تعمیر مکمل ہو گئی۔ تو مسجد کے دروازے پر کتبہ لگانے کی باری آئی۔ فضل بھی اس موقع پر آیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ اس کتبے پر کونسی عبارت لکھوائی جائے۔؟

”ظاہر ہے اس پر تو میرا ہی نام لکھا جائے گا۔“ فضل نے بڑے فخر سے کہا۔

”بہلول قریب ہی کھڑا تھا۔ وہیں سے پکار کر بولا۔“  
”حضرت فضل بن رزیح۔ کیا آپ اس دیوانے کو یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ آپ نے یہ مسجد کس کے لیے بنوائی ہے؟“  
”خدا کا گھر ہے۔ اسے میں نے اللہ کی خاطر بنایا ہے۔“  
فضل نے جواب دیا۔

”بہلول مسکرایا۔ آپ کا فرمانا بجا ہے۔ کہ یہ آپ نے اللہ کے لیے بنوائی ہے۔ تو پھر اس پر اپنا نام کیوں لکھوا رہے ہیں۔؟“

فضل نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ ”کیوں میں اپنا نام کتبے پر کیوں نہ لکھواؤں۔ آخر لوگوں کو بھی تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس مسجد کا بنانے والا کون ہے۔“

”تو پھر میرا نام لکھواؤ۔ لکھواؤ کہ اس مسجد کا بانی بہلول ہے۔“ بہلول نے ہنس کر کہا۔

”عجیب دیوانے ہو تم۔ بھلا تمہارا نام لکھوانے کی کیا تاک ہے۔“ اس نے ناگواری سے کہا۔

”چلو نہ سہی۔ میرا نام نہ لکھواؤ۔ اپنا ہی نام لکھواؤ تاکہ تمہاری شہرت اور نیک نامی ہو۔ لیکن پھر ثواب کا خیال اپنے دل میں نہ لانا۔“ بہلول یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

فضل کا سر جھک گیا۔ وہ ندامت سے بولا۔ ”بلاؤ



بہلول مسکرایا۔ ”صرف میری دُعا میں تو اتنی تاثیر نہیں ہے کہ اتنا بڑا اُونٹ اس سے شفا یاب ہو جائے۔ ہاں اگر تم ارنڈی کا تیل لے آؤ۔ تو میں اس پر دُعا دم کر دوں گا۔ تم وہ تیل استعمال کرنا۔ تو امید ہے کہ کام بن جائے گا۔“ بات اس شخص کی سمجھ میں آگئی۔ وہ شہر سے تیل خرید لایا۔ بہلول نے اس پر دُعا دم کر دی۔ کچھ روز کی مالش سے اس کا اُونٹ تندرست ہو گیا۔

بہلول کو۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے۔ کتبے پر وہی لکھ دو۔“ لوگ بہلول کے پیچھے دوڑے اور اس سے پوچھنے لگے کہ کتبے پر کیا لکھا جاتے تو وہ بولا۔ ”قرآن پاک کی آیت سے بہتر اور کچھ نہیں۔ جو اس کتبے پر کندہ کیا جاتے۔“ فضل نے بھی اس کی تائید کی اور مسجد کے کتبے پر آیات قرآنی لکھوائی گئیں۔



بہلول کا ایک دوست گیہوں پسوا کر واپس آ رہا تھا کہ اس کا گدھا لنگڑانے لگا۔ اس نے گدھے کو دو تین چھڑیاں لگا کر آگے دھکیلنا چاہا۔ لیکن وہ لٹس سے مَس نہ ہوا اور بالآخر زمین پر گر پڑا۔ قریب ہی وہ خستہ حال مکان تھا۔ جہاں بہلول ان دنوں مقیم تھا۔ اس شخص نے دروازہ کھٹکٹایا اور آواز دی۔ ”بہلول بھائی۔! بہلول بھائی۔ ذرا مجھے اپنا گدھا تو دے دو۔ میرا گدھا تو آدھ رستے میں جواب دے گیا اور مجھے یہ آٹا گھر پہنچانا ہے۔“

بہلول اس کی آواز پہچانتا تھا۔ وہ اس کی عادت سے بھی واقف تھا کہ وہ جانور کی صحیح نگہداشت نہیں کرتا تھا اور ان

ایک اعرابی کے اُونٹ کو کھجلی کی بیماری لاحق ہو گئی۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس پر ارنڈی کے تیل کی مالش کرے اعرابی اُونٹ پر سوار ہوا اور شہر کی جانب روانہ ہو گیا تاکہ ارنڈی کا تیل خرید لائے۔ راہ میں بہلول کو دیکھا۔ تو اس نے اپنا اُونٹ ٹھہرایا۔ نیچے اُترا اور اسے سلام کر کے بولا۔ ”میں عجیب مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ میرے اُونٹ کو خارش ہو گئی ہے۔ لوگوں نے تو ارنڈی کے تیل کی مالش کرنے کا مشورہ دیا ہے میں ارنڈی کا تیل لینے ہی جا رہا تھا۔ تمہیں دیکھا۔ تو مجھے خیال آیا کہ تمہاری دُعا میں تو بڑا اثر ہے۔ اگر تم میرے اُونٹ پر دم کر دو۔ تو اسے شفا ہو جائے گی۔“



خاص پروا نہیں کی اور اس کے حسبِ نشانہانے کا کیسہ اس کے بدن پر نہیں رگڑا۔  
بُھلُول فارغ ہو چکا — تو باہر آیا — اس نے اپنی جیب میں ہاتھ  
ڈالا اور دس دینار نکال کر حمام کے مالک کی ہتھیلی پر رکھ دیے —  
حمام کا مالک اجرت سے بہت زیادہ رقم دیکھ کر قدرے نادک  
ہوا کہ اس نے بُھلُول کے ساتھ لا پرواہی برتی — بُھلُول کچھ کہنے بغیر  
حمام سے باہر نکل آیا —

اگلے ہفتے وہ پھر حمام کرنے گیا — تو اسے دیکھتے ہی حمامی  
دوڑے ہوئے آئے اور اسے ہاتھوں ہاتھ اندر لے گئے اور بڑے  
آدب سے اسے غسل کرنے میں مدد دی —

بُھلُول فارغ ہو کر باہر آیا — تو اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا  
اور ایک دینار مالک کی ہتھیلی پر رکھ دیا — وہ غصے سے لال بھوکا  
ہو گیا — اس نے دینار دُور پھینک دیا اور درشتی سے بولا —  
”حضرت آپ ہوش میں تو ہیں — حمام کرنے کی یہ اجرت“؟  
”قبلہ — اس مرتبہ حمام کرنے کی اجرت تو میں پچھلے ہفتے  
ہی آپ کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں — یہ تو پچھلے ہفتے کی  
اجرت ہے — جو میں نے اب ادا کی ہے — تاکہ آپ کو احساس ہو  
کہ گاہکوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیے“ —

سے بے رحمی کا سلوک کرتا تھا — اس لیے وہ اپنا گدھا اسے دینا  
نہیں چاہتا تھا — وہ باہر نکلا اور اس شخص سے بولا — ”یار —  
بڑا افسوس ہے کہ میرا گدھا — کوئی مانگ کر لے گیا ہے — اس لیے  
اس وقت تو تمہارے کام نہیں آسکتا“ —

ابھی بُھلُول کے الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ گھر کے  
اندر سے گدھے کی ڈھینچوں — ڈھینچوں کی آواز سنائی دینے لگی —  
وہ شخص ہوشیار ہوا اور شکوے کے انداز میں بولا — ”اچھا بُھلُول  
بھائی — تم بھی اچھے دوست ہو — تمہارا گدھا تو گھر میں موجود  
ہے اور تم کہتے ہو کہ اسے کوئی مانگ کر لے گیا ہے“ —  
”اور تم بھی اچھے دوست ہو“ — بُھلُول نے اسی کے لہجے  
میں کہا — ”میرا تمہارا پچاس سال کا ساتھ ہے اور تم میری  
بات پر یقین نہیں کر رہے — اور گدھے کی بات ماننے پر  
تیار ہو“ —



بُھلُول حمام کرنے گیا — تو وہی اپنی گڈری پیٹے ہوئے  
تھا — اس کی پاپوش بھی بوسیدہ تھی اور لباس بھی عمدہ نہیں  
تھا — حمام کے حمامیوں نے اس کی جانب بالکل توجہ نہیں دی  
خاصی دیر بعد اس کی باری آئی — تو بھی انھوں نے بُھلُول کی کوئی



بغداد کے شریر لڑکے ”پاگل ہے۔ پاگل ہے“ کا شور مچاتے ایک شخص کے پیچھے دوڑتے جا رہے تھے۔ وہ پریشان حال شخص بار بار مڑ کر انھیں منع کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن وہ کسی طور نہیں مانتے تھے۔ کوئی اُسے پتھر مارتا تھا۔ کوئی اُس کے کپڑے کھینچتا تھا۔ کوئی پاگل پاگل کہہ کر اُسے چھیڑتا تھا۔ وہ انھیں منع کر کے تھک گیا۔ تو اس نے ہاتھ جوڑ دیتے اور ان ننھے شیطانوں سے بولا۔ ”خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں پاگل نہیں ہوں میں پاگل نہیں ہوں۔ اس کی آواز زندہ گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔“

لڑکے کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ اُن میں سے ایک شریر بولا۔ ”سارے ہی پاگل اسی طرح کہتے ہیں۔“ دوسرے نے لقمہ دیا۔ ”تم تو شکل سے ہی پاگل نظر آتے ہو اور پھر بھی کہتے ہو کہ میں پاگل نہیں۔“ ”پاگلوں کے سر پر سینگ تو نہیں ہوتے۔“ کوئی اور بولا اور سب اسے چھیڑنے اور تنگ کرنے لگے۔

”ٹھہر جاؤ تم۔ شیطان کے چیلو۔ میں ابھی تمہیں سیدھا کرتا ہوں۔“ ایک کڑک دار آواز سنائی دی۔ تو لڑکوں نے

مڑ کر دیکھا۔

بہلول اپنا عصا لہراتا چلا آتا تھا۔ ”تم لوگوں کو شرم نہیں آتی ایک شریف آدمی کو تنگ کرتے ہو۔“ وہ غصے سے بولا۔ ”تمہیں ذرا خوف خدا نہیں ہے۔ بچارے اجنبی کو پریشان کر کے رکھ دیا۔ چلو۔ بھاگو۔ یہاں سے ورنہ۔“ !!! اس نے دانت پیس کر لاٹھی اٹھائی۔ تو لڑکے سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔

اس شخص کی جان میں جان آئی۔ اس نے اپنا لباس درست کیا اور بانپتا ہوا بولا۔ ”آپ کی بہت مہربانی۔ اگر آپ نہ آتے تو یہ شریر لڑکے مجھے سچے ہی پاگل کر دیتے۔“ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

بہلول نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ شکل و صورت اور لباس سے اجنبی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی اور ہراس تھا۔ بہلول نے ہمدردی سے پوچھا۔ ”بھائی۔ تم اجنبی معلوم ہوتے ہو۔ ہمارے اس شہر نے تم پر جو ظلم کیا ہے۔ کچھ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ اور کچھ تم سناؤ کہ جس نے تمہاری آنکھوں میں آنسو بھر دیے ہیں۔“ اس شخص نے ایک آہ بھری۔ ”آپ درست فرماتے ہیں۔ اس شہر نے تو مجھے پاگل بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ میں



”اچھا اب تم اس طرح کرو کہ مجھے اس عطار کا پتہ بتا دو  
کل اسی وقت تم پھر اس عطار کی دکان پر آنا اور اس سے اپنی  
امانت کا مطالبہ کرنا۔“ بھلّوں نے اسے ہدایت دی۔

”نہیں جناب۔ اب میں اس مکار کی دکان پر نہیں جاؤں گا  
پہلے ہی اس نے میرے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا۔“ اجنبی نے گھبرا کر کہا  
”پوری بات تو سن لو یار۔ تمہیں اس قدر گھبرانے کی ضرورت

نہیں۔ میں اس کی دکان پر پہلے سے موجود ہوں گا۔ یہ میرا  
ذمہ کہ وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔“ بھلّوں نے زور دے کر کہا۔

اگلے روز بھلّوں اس عطار کی دکان پر پہنچا۔ اس کے ہاتھ  
میں ایک تھیلی تھی۔ وہ اُسے سلام کر کے بولا۔ ”جناب۔ میں

کچھ عرصے کے لیے خراسان جا رہا ہوں۔ دور کا سفر ہے۔ خدا  
معلوم واپس آؤں یا نہ آؤں۔“ راہ میں چور ڈاکوؤں کا بھی

خطرہ ہے۔ یہ میری جمع پونجی۔ کچھ جواہرات اور تیس ہزار انفریاں  
ہیں۔ آپ انھیں میری امانت سمجھ کر رکھ لیں۔ اگر میں تین ماہ

بعد واپس آگیا۔ تو اپنی امانت لے لوں گا۔ اگر مجھے واپس آنا  
نصیب نہ ہوا۔ تو آپ اس رقم سے کوئی مسجد بنوادیں۔“

بھلّوں نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔  
عطار نے تھیلی ہاتھ میں لی۔ اس کا بوجھ محسوس کر کے وہ

دل ہی دل میں خوش ہوا اور بولا۔ ”جناب۔ آپ کا کہا سُر  
۱۴۵

چند روز پہلے ہی یہاں وارد ہوا ہوں۔ میرے پاس کچھ جواہرات  
اور سونے کے سکے تھے۔ وہی میری پونجی تھی اور وہی زادِ سفر۔

میں نے اس خوف سے کہ کہیں اجنبی شہر میں لٹ نہ جاؤں۔  
وہ جواہرات ایک عطار کے پاس امانت رکھوا دیئے تھے۔ مگر

افسوس کہ آج جب میں نے اس سے اپنی امانت کا مطالبہ کیا  
تو وہ مکر گیا۔ اس نے مجھے برا بھلا کہا اور شریر لڑکوں کو یہ کہہ

کر میرے پیچھے لگا دیا کہ میں پاگل ہوں۔“ اس کے آنسو بہہ  
نکلے۔

بھلّوں نے اُسے تسلی دی۔ ”بھائی۔ مجھے بہت افسوس  
ہے کہ اس شہر میں تمہارے ساتھ ایسا سلوک ہوا ہے۔ لیکن تم

فکر نہ کرو۔ تمہاری امانت تمہیں ضرور ملے گی۔“  
”مجھے یقین تو نہیں آتا۔ وہ عطار حد درجہ چالاک اور

مکار ہے۔ لیکن امید پر دنیا قائم ہے۔ مایوسی کفر ہے۔  
اس لیے میں بھی اپنی ٹوٹی آس پھر جوڑ لیتا ہوں۔ اگر آپ میری

جمع پونجی مجھے دلوادیں۔ تو میں عمر بھر آپ کو دُعائیں دوں گا۔“  
اجنبی نے کہا۔

”بھائی تم نے سچ کہا کہ مایوسی کفر ہے۔ تم فکر نہ کرو۔  
تمہاری امانت تمہیں ضرور ملے گی۔ بھلّوں نے بڑے یقین سے کہا۔

”خدا آپ کا بھلا کرے۔“ اجنبی بولا۔  
۱۴۶



آنکھوں پر۔ آپ بدشگونی کی باتیں نہ کریں۔ انشاء اللہ آپ ضرور واپس آئیں گے اور اپنی امانت اسی طرح محفوظ پائیں گے۔  
”میں آپ کا بہت متشکر ہوں۔ آپ نے میری پریشانی دور کر دی ہے۔“ بھلّوں نے تھیلی اس کے حوالے کر دی۔  
اُسی وقت وہ اجنبی بھی دکان پر پہنچ گیا اور بڑی لجاجت سے بولا۔ ”جناب! میں نے جو امانت آپ کے پاس رکھوائی تھی۔ براہ کرم اُسے عنایت فرما دیجیے۔“

عطار سوچنے لگا کہ اسے کیا جواب دے۔ اگر وہ انکار کرتا تو بھلّوں مشکوک ہو سکتا تھا۔ کیا خبر وہ اپنی امانت واپس لے جائے اور کسی دوسرے کے پاس رکھوا دے۔ بھلّوں کی تھیلی اس کی تھیلی سے زیادہ وزنی ہے۔ بھلّوں خلیفہ کا رشتہ دار بھی ہے۔ اس کو اکثر و بیشتر خلیفہ سے نذرانے ملتے رہتے ہیں۔ یقیناً اس کے جواہرات زیادہ قیمتی ہوں گے۔ یہ سوچ کر اس نے اپنے ملازم سے کہا کہ ”وہ اجنبی کی تھیلی لا کر اسے دے دے۔“ اُس شخص نے تھیلی لی اور دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔ بھلّوں بھی عطار کو خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو گیا۔ عطار نے بیقراری سے وہ تھیلی کھولی تاکہ اس کی مالیت کا اندازہ کر سکے۔ یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ تھیلی میں لوہے اور کانچ کے ٹکڑے بھرے ہوئے تھے۔

بھلّوں بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک شخص نے دامن پکڑ لیا۔ بھلّوں نے اس کی طرف دیکھا۔ ”کیا بات ہے بھائی۔ مجھے کیوں روکا ہے۔“

وہ پریشانی سے بولا۔ ”جناب شیخ بھلّوں۔ خدا کے لیے میری مدد کیجیے۔ ورنہ میں بے موت مارا جاؤں گا۔“  
”کیوں خیریت تو ہے۔“ بھلّوں نے پوچھا۔

”بس خیریت ہی تو نہیں ہے۔ میری اس زبان نے آج مجھے مروا دیا ہے۔ میں نے اپنی موت کا سامان خود اپنے ہاتھوں کیا ہے۔“ وہ تأسّف سے کہنے لگا۔

”بتاؤ تو سہی کہ کیا ہوا ہے۔“ بھلّوں نے استفسار کیا۔  
”کیا بتاؤں جناب۔ اپنی حماقت کا حال اپنی زبان سے کس طرح کہوں۔ دراصل ہوائیوں کہ حاکم کوفہ کی خدمت میں کسی نے ایک بے حد خوب صورت گدھا پیش کیا۔ سب لوگ اس کی تعریف کرنے لگے۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ بہت اعلیٰ نسل کا گدھا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ اسے خوب سدھایا گیا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ بہت چاق و چوبند اور مستعد ہے۔ میرے منہ سے کہیں نکل گیا کہ یہ گدھا تو اتنا دانشمند ہے کہ



اسے پڑھایا جاسکتا ہے۔“  
 بس میرا اتنا کہنا تھا کہ حاکم کو فہ نے میری بات پکڑ لی۔  
 میرے مخالفوں نے اسے اور ہوا دی۔ یہاں تک کہ حاکم کو فہ نے مجھے حکم دے دیا۔ کہ میں گدھے کو پڑھاؤں اور اپنا قول سچ کر کے دکھاؤں۔ اگر میں اس میں کامیاب ہو گیا۔ تو مجھے انعام و اکرام دیا جائے گا۔ اور اگر میں کامیاب نہ ہوا۔ تو میری گردن مار دی جائے گی۔ میں سخت مصیبت میں ہوں بھائی بھلّوں۔ میری جان پر بنی ہے۔ خدا کے لیے کوئی صورت پیدا کرو کہ میں سچ جاؤں۔“  
 بھلّوں بولا۔ ”بھائی غم نہ کر۔ میں تجھے ایک ترکیب بتا دوں گا۔ آگے جو اللہ کو منظور۔“  
 مقررہ مدت بعد حاکم کو فہ نے اسے طلب کیا۔ وہ گدھے کو لے کر اس کے دربار میں پہنچا۔ سارا دربار بھرا ہوا تھا اور لوگ بڑے شوق سے دیکھ رہے تھے کہ۔ پڑھا لکھا گدھا۔ کیوں کر اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہے۔  
 اُس شخص نے گدھے کے سامنے کتاب رکھی۔ گدھا صفحے اُلٹنے لگا۔ آہستہ آہستہ وہ تمام صفحے اُلٹ گیا اور جب کتاب بند کر چکا۔ تو اُس نے زور سے پکارا۔ ڈھینچوں۔ ڈھینچوں۔ ڈھینچوں۔ !!!

حاضرین اور حاکم حیران رہ گئے۔ انھوں نے تسلیم کر لیا کہ گدھا تمام کتاب پڑھ چکا ہے اور اپنی زبان میں اس کا اعلان کر رہا ہے۔ حاکم نے اس شخص کو بھاری انعام و اکرام دیا۔ وہ خوش خوش واپس آیا اور بھلّوں کی خدمت میں پہنچا۔  
 ”جناب شیخ بھلّوں۔ یہ انعام و اکرام۔ یہ سب آپ کا حق ہے۔ اگر آپ مجھے وہ ترکیب نہ بتاتے تو میں اپنی جان سے بھی جاتا۔“  
 ”نہیں بھائی۔ یہ انعام و اکرام تمھیں ہی مبارک ہو۔ میں نے تو صرف ترکیب بتائی تھی۔ گدھے کے ساتھ محنت تو تم نے کی۔“ بھلّوں نے بے نیازی سے کہا۔  
 قریب ہی کھڑا ہوا ایک شخص بولا۔ ”بھائی وہ ترکیب کیا ہے۔ جس نے گدھے کو ساری کتاب پڑھوا دی۔؟“  
 وہ شخص ہنسا اور بولا۔ ”اب تو میری جان بچ گئی ہے سو اس ترکیب کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ کہ جس کو اپنے گدھے کو پڑھوانا ہو۔ وہ اس طریقے سے پڑھاتے۔“  
 ”ہاں بھائی بتاؤ۔ دوسرا شخص پوچھنے لگا۔  
 ”سُنو بھائی۔ وہ کتاب جو گدھے کو پڑھانی ہو۔ اس کے کے درمیان جو رکھ دو۔ گدھے کو دن بھر جھوکا رکھو۔ اور شام کو وہی کتاب اس کے سامنے رکھ دو۔ بھوکا گدھا کتاب کے صفحے



اُلٹا جائے گا اور جو کھاتا جائے گا۔ اس طرح آٹھ دس دن یہ عمل دہراؤ گے۔ تو گدھا اس کا عادی ہو جائے گا کہ اس کی خوراک کتاب کے صفحوں کے درمیان ہے۔ اب جس وقت بھی گدھے سے کتاب پڑھوانے کا منظر ہرہ کروانا ہو۔ تو اُسے جھوکا رکھو۔ اور کتاب کے درمیان جو بھی نہ رکھو۔ اب گدھا یہی سمجھے گا کہ صفحوں کے درمیان جو رکھے ہوتے ہیں۔ وہ جھوک سے بے تاب ہو کر صفحے اُلٹا جائے گا۔ آخری صفحے تک جب اسے جو نہیں ملیں گے۔ تو وہ ڈھینچوں۔ ڈھینچوں کر کے اعلان کر دے گا کہ اُس نے ساری کتاب پڑھ لی ہے۔“



ایک کارواں سرائے میں بھٹیاری اور ایک ہندوستانی سوداگر کا جھگڑا ہو رہا تھا۔ دونوں میں زبردست ٹھیکڑ ہو رہی تھی۔ باقی مسافر جو سرائے میں ٹھہرے ہوتے تھے۔ انھوں نے آکر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔؟ بھٹیاری نے غصے سے کہا ”دیکھیے جناب۔ یہ عجیب شخص ہے کہ کھانا کھالیا اور قیمت ادا کرتے ہوتے اسے موت آتی ہے۔ ہم یوں ہی مفت خوروں کے پیٹ بھرنے لگے۔ تو کل کو بھیک مانگتے پھریں گے۔“ ایک مسافر نے سوداگر کی طرف دیکھا۔ ”جناب۔ آپ

خاصے معقول اور آسودہ حال نظر آتے ہیں۔ آخر آپ اس غریب آدمی کے پیسے کیوں نہیں ادا کر دیتے۔“

”قبلہ میں تو پیسے دینے کے لیے تیار ہو۔ بلکہ میں نے تو اس کے ساتھ یہ بھلائی کی کہ اسے پچھلے کھانے کے پیسے بھی ادا کرنا چاہتا ہوں۔ جو میں اتفاقاً بھول گیا تھا۔ لیکن یہ کچھ اور ہی حساب بتا رہا ہے۔ یوں لگتا ہے۔ جیسے سارے ہی مسافروں کے کھانے کی قیمت یہ مجھ سے وصول کرنا چاہتا ہے۔“

سوداگر نے اپنا موقف بیان کیا۔

”بھلائی کس بات کی“۔ بھٹیاری تنک کر بولا۔ ”ایک تو پہلے رقم ہی ادا نہیں کی۔ اُسی کا مجھ پر احسان جلتا ہے۔ کھانا کھایا ہے۔ تو قیمت بھی ادا کرو۔ اور خواجواہ جھگڑا نہ بڑھاؤ۔“

تکرار بڑھی۔ تو کوئی قصبے کے مُقَدِّم کو بھی بلا لایا۔ اس نے دونوں سے کل واقعہ بیان کرنے کو کہا۔

سوداگر بولا۔ ”جناب۔! معاملہ یہ ہے۔ کہ پچھلے سال بھی میں اسی سرائے میں ٹھہرا تھا۔ میں نے کھانے میں ایک مُرغی اور چند انڈے کھائے تھے۔ مگر جلدی میں ہونے کی وجہ سے میں اس کی قیمت ادا نہیں کر سکا۔ میں نے سوچا کہ اگلے سال ادا کر دوں گا۔ اب میں نے اس سے اس کھانے کا حساب پوچھا ہے۔ تو ایک ہزار دینار مانگتا ہے۔ آپ ہی انصاف سے



بتاتے کہ کیا ایک مرغی اور چند انڈوں کی قیمت ایک ہزار دینار ہوتی ہے۔“

مقدم نے بھٹیاری سے کہا۔ ”کیوں صاحب۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں۔“

بھٹیاری نے گلا صاف کیا اور بڑے ٹھسے سے بولا۔  
”جناب عالی۔ ابھی تو میں نے بڑی فیاضی سے کام لیا ہے۔ کہ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو اور میں کسی کا دین دار نہ بنوں۔ آپ ذرا انصاف سے غور فرمائیں۔ کہ ان حضرت نے پچھلے سال بڑے مزے سے ایک مرغی اور چھ انڈے ڈٹ کر کھائے تھے۔ اب اگر وہ مرغی زندہ ہوتی اور میں وہی چھ انڈے اس کے بیچے رکھ دیتا۔ تو ان میں سے چوزے نکل آتے۔ وہ چوزے بڑے ہو کر انڈے دیتے۔ تو میں ان سے بھی چوزے نکلاتا۔ آپ عقلمند ہیں، خود ہی حساب لگالیں کہ ایک سال میں وہ مرغی اور چھ انڈے۔ ہزاروں مرغیوں اور چوزوں میں بدل جاتے۔ یہ سارا منافع محض اس وجہ سے میرے ہاتھوں سے نکل گیا کہ ان حضرت نے وہ مرغی اور انڈے کھالیے تھے۔ اب میں نے اسی حساب سے قیمت صرف ایک ہزار دینار لگائی ہے۔ تو انھیں ادا کرتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے۔ اور مجھ سے جھگڑا کرنے پر تیل گئے ہیں۔“

مقدم بھٹیاری کا دوست تھا۔ اس لیے اس نے فیصلہ بھٹیاری کے حق میں دے دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ بھٹیاری کو ایک ہزار دینار ادا کرے۔

سوداگر بچارہ بہت پریشان تھا کہ اتنی رقم کہاں سے ادا کرے کہ مسافروں میں سے ایک شخص بولا۔ ”حضرات۔ اگر کوئی مجھے ایک تیز رفتار سواری مہیا کر دے۔ تو میں ابھی بغداد سے قاضی کو لے کر آتا ہوں۔ پھر وہ جو فیصلہ کر دے۔ اسے مان لیا جائے۔“

باقی مسافروں نے اس کی حمایت کی۔ سوداگر بولا۔ ”بھائی آپ میرا خچر لے جائیں۔ یہ بہت تیز رفتار ہے۔ اور خدا کے لیے قاضی صاحب کو لے کر آئیں۔ یہ قصبہ تو اندھیرنگری ہے۔ میں اتنی رقم اس کو ادا کر دوں۔ تو کیا خود بھیک مانگ کر اپنے ملک واپس جاؤں۔ خدا آپ کا بھلا کرے۔ میری مدد کیجیے۔“

اس شخص نے خچر لیا اور برق رفتاری سے بغداد کی سمت روانہ ہو گیا۔ شہر چند کوس کے فاصلے پر تھا۔ وہ جلد ہی اس آگیا اور بولا۔ ”قاضی صاحب کچھ مصروف تھے۔ انھوں نے آدھے گھنٹے تک آنے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ لوگ انتظار کیجیے۔ ایک۔ ایک کر کے منٹ گئے جانے لگے۔ لوگ بے چینی



سے اس راستے کی طرف دیکھنے لگے۔ جس طرف سے قاضی صاحب کو آنا تھا۔ آدھا گھنٹہ گزرا۔ پھر ایک گھنٹہ ہوا۔ لوگوں کی بے چینی بڑھی۔ سوداگر کی پریشانی کا ٹھکانہ نہیں تھا اور بھٹیارا مٹو پھول کو تاؤ دیتا۔ خوش خوش پھر رہا تھا۔ وقت اور گزرا۔ اور ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا۔

اچانک بغداد کی طرف سے آنے والے راستے پر ایک ٹوپی نظر آتی۔ پھر گڈری میں لیٹا ایک درویش نمودار ہوا۔ ”قاضی صاحب آگئے۔ قاضی صاحب تشریف لے گئے۔“ اس مسافر نے خوشی سے نعرہ مارا۔

لوگ احتراماً اٹھ گئے اور انھوں نے حیرت سے اس درویش کو دیکھا جس کا نام بھلول تھا۔ وہ اپنے گدھے سے اُترا اور اپنا عصا ٹیکتا درمیان میں آبیٹھا۔ اور بولا ”حضرات! میں معذرت خواہ ہوں کہ مجھے یہاں پہنچنے میں تاخیر ہو گئی۔ مجھے اس جھگڑے کی اطلاع مل گئی تھی۔ مگر میں جلدی نہیں آسکتا تھا۔ دراصل میں مقدموں کے فیصلے کرنے کے علاوہ۔ کاشت کاری بھی کرتا ہوں۔ آج جب آپ کا پیغام مجھے ملا تو میں گیارہوں کے بیج اُبال رہا تھا۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ گیارہوں کے بیج اُبال لیے جائیں۔ تو پیداوار اچھی ہوتی ہے۔ بس وہ بیج اُبالتے اُبالتے ہی مجھے اتنی دیر ہو گئی۔ میں ایک بار

پھر آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔“  
مقدم اور حاضرین حیران ہوئے۔ بھٹیارے نے غصے سے کہا۔ ”جناب۔ آپ کیسے قاضی ہیں۔ جو گیارہوں کے بیجوں کو اُبال کر بوتے ہیں۔ آپ نے مقدمے کا فیصلہ کیا کرنا ہے۔“  
”کیوں نہیں جناب۔ میں بالکل درست فیصلہ کروں گا انشاء اللہ۔ اور گیارہوں اُبالنے پر آپ کو تعجب کیوں ہے۔؟“  
آپ کے یہاں تو جھنی ہوئی مرغیاں بھی انڈوں پر بیٹھتی اور چوزے نکالتی ہیں۔ تو اُبلے ہوئے گیارہوں کیوں نہ ہرے ہونگے۔“  
لوگ چونک گئے۔ مقدم بھی اپنی جانبداری پر شرمندہ ہوا اور بولا۔ ”سُبْحَانَ اللہ۔ حضور آپ نے تو بات ہی بات میں فیصلہ کر دیا۔“

”نہیں ابھی فیصلہ ہونا باقی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بھٹیارا اور سوداگر اپنے دل سے رنجش نکال دیں اور دونوں گلے ملیں۔ اور بھٹیارا آئندہ جھنی ہوئی مرغیوں کی اولادوں کی قیمت مسافروں سے نہ وصول کیا کرے۔“



شیخ جنید بغدادی۔ بغداد کی کلیوں میں اپنے مرنیوں کے ہمراہ چلے جا رہے تھے۔ اچانک انھوں نے مڑ کر کہا۔



”لوگوں کو تو تم رُوحانی تعلیم دیتے ہو۔ کیا تمہیں کھانا کھانے کا طریقہ معلوم ہے۔“ بھلُول نے پوچھا۔

شیخ چونکے اور پھر سنبھل کر بولے۔ ”میں بِسْمِ اللہ کہہ کر شروع کرتا ہوں۔ اپنے سامنے سے کھاتا ہوں۔ چھوٹے چھوٹے لقمے لیتا ہوں۔ دائیں طرف مُنہ میں رکھتا ہوں۔ آمہستگی سے چباتا ہوں۔ کھانے میں شریک لوگوں کے نوالے نہیں گنتا۔ کھانا کھاتے ہوئے اللہ کی حمد کرتا ہوں اور۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے اور ختم کرنے کے بعد اپنے ہاتھ دھوتا ہوں۔“

”واہ بھائی۔ کیا کہنے۔“ بھلُول سر جھٹک کر اٹھا اور اپنا دامن جھاڑ کر بولا۔ ”تم تو خَلْقَت کے مُرشد بنے پھرتے ہو۔ اور تم کو ابھی تک کھانا کھانا بھی نہیں آتا۔“ اُس نے اتنا کہا اور آگے بڑھ گیا۔

شیخ کے مُریدوں کو اس کا اس طرح کہنا بہت ناگوار معلوم ہوا۔ ان میں سے ایک غصے سے بولا۔ ”پیرو مُرشد۔ یہ بھلُول تو بالکل پاگل ہے۔ آپ اس کی بات کا خیال نہ کریں۔“

شیخ نے سر ہلایا۔ ”یہ پاگل ضرور ہے۔ مگر ہزار دانشمند پر بھاری ہے۔ اَصُل حَقائق اِسی کے پاس ہیں۔ آؤ چلو۔“

اس سے ہمیں بہت کچھ سیکھنا ہے۔“

مُريد بادلِ نخواستہ شیخ کے ساتھ چل پڑے۔ بھلُول اپنی

”اَصْحٰہ کی جانب کہ مجھے وہاں کسی سے ملنا ہے۔“

مُريدوں کو حیرت ہوئی۔ لیکن ان میں سُوال کرنے کی جرات نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے ان کے عَقَب میں چلتے گئے دیکھا کہ اینٹ کے سرہانے پر سر رکھے ایک درویش محو استراحت ہے۔ وہ اپنے آپ میں اس قدر مگن تھا کہ اسے شیخ اور اس کے مُريدوں کے قدموں کی چاپ بھی سُنائی نہیں دی۔

شیخ نے ادب سے سلام کیا۔ ”حضرت بھلُول۔ میرا سلام قبول فرمائیے۔“

بھلُول نے نگاہ اٹھائی۔ سلام کا جواب دیا اور بولا۔

”تم کون ہو۔“

”حُضور۔ میں جُنید بغدادی ہوں۔“ شیخ نے اپنا تعارف کرایا۔

”اچھا۔ میں سمجھا۔ تم ہی اَبُو الْقَاسِم ہو۔ بھلُول نے سُوال کیا۔“

”جی۔ آپ درست سمجھے۔“ شیخ نے ادب سے کہا۔

”سُنا ہے۔“ تم لوگوں کو رُوحانی تعلیم دیتے ہو۔“

بھلُول نے پوچھا۔

”جی ہاں۔ یہ ناچیز اپنی سی کوشش کرتا ہے۔“ شیخ نے عاجزی سے جواب دیا۔



دھن میں مست چلتا چلا گیا۔ شیخ نے اسے نہ پکارا نہ روکا۔  
یہاں تک کہ وہ ایک دیرانے میں جا بیٹھا۔  
شیخ محتاط قدموں سے اس کے قریب پہنچے اور اسے پھر  
سلام کیا۔

بہلول نے نگاہ اٹھائی۔ ”تم کون ہو؟“  
”میں شیخ بغدادی ہوں۔ جو کھانا کھانا بھی نہیں جانتا۔“  
انہوں نے اعتراف کیا۔

بہلول نے بے نیازی سے کہا۔ ”کھانا کھانا تو تم کو  
آتا نہیں۔ کیا بات کرنا آتا ہے؟“  
”جی۔ میرا خیال ہے کہ میں کسی حد تک بات کرنی جانتا  
ہوں۔“ شیخ نے جھجک کر جواب دیا۔

”سُبْحَانَ اللہ۔!! بتاؤ۔ تم کس طرح گفتگو کرتے  
ہو؟“ بہلول نے پوچھا۔

”میں اعتدال کی حد تک بات کرتا ہوں۔ بے موقع اور  
بہت زیادہ نہیں بولتا۔ سامعین کی عقل اور سمجھ کے مطابق  
گفتگو کرتا ہوں۔ دُنیا والوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف  
بُلانا ہوں۔ میں اتنا نہیں بولتا کہ سننے والے بیزار ہو جائیں۔  
میں اپنی گفتگو میں ظاہری اور باطنی علوم کی باریکیوں کا لحاظ  
بھی رکھتا ہوں۔“ شیخ نے کوشش کی اس مرتبہ کوئی کسر نہ رہ جائے۔

”عجیب شخص ہو تم۔“ بہلول بیزاری سے اٹھ کھڑا ہوا۔  
”کھانا کھانا تو درکنار۔ تم کو تو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔“  
اس نے اپنا دامن جھٹکا اور آگے بڑھ گیا۔

مُريدوں کو سخت ناگوار گزرا۔ انہوں نے گھور کر دُور جاتے  
ہوئے بہلول کی طرف دیکھا اور غصے سے بولے۔ ”یا شیخ۔ دیوانہ  
کس قدر گستاخ ہے۔ اس کو آپ کے علم اور مرتبے کا کیا اندازہ  
اسے اپنے حال پر پھوپھوڑیے اور تشریف لے چلیے۔“

”نہیں۔“ شیخ بغدادی نے کہا۔ ”یہ دیوانہ۔ دانائی کا  
خزانہ اپنے پاس رکھتا ہے۔ اور مجھے اسی کی حاجت ہے۔ آؤ  
میرے ساتھ۔“

وہ پھر بہلول کے پیچھے چل دیے۔ کچھ دُور تک بہلول اپنے  
خیال میں مگن چلتا چلا گیا۔ پھر اس نے مُڑ کر دیکھا اور بولا۔  
”شیخ بغدادی۔ تم میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو۔ نہ تم کو کھانا  
کھانا آتا ہے۔ نہ گفتگو کے آداب جانتے ہو۔ شاید سونے  
کا طور طریقہ بھی تم کو نہیں آتا ہوگا۔“

”جیسا مجھے آتا ہے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔“ شیخ نے  
ادب سے کہا۔

”بتاؤ۔“ بہلول نے زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔  
شیخ بھی بیٹھ گئے اور بولے۔ ”میں جب عشاء کی نماز



پڑھ کر اور ادو وظائف سے فارغ ہو جاتا ہوں۔ تو سونے کے کپڑے پہن لیتا ہوں۔ اور ان آداب کو جو رسول اللہؐ اور دین کے بزرگوں کے طفیل ہم تک پہنچے ہیں۔ محفوظ خاطر رکھتا ہوں۔

”کمال ہے۔“ بھلول نے کہا۔ ”ان حضرت کو تو سونا بھی نہیں آتا۔“ اس نے اٹھنا چاہا۔ لیکن شیخ بغدادی نے دامن پکڑ لیا اور منت کرنے لگے۔

”جناب شیخ بھلول۔ خدا کے لیے تشریف رکھیے اور مجھے وہ سب تعلیم کیجیے جو میں نہیں جانتا۔ بلاشبہ آپ درست فرماتے ہیں کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا۔“

بھلول مسکرایا۔ ”شیخ۔ پہلے تم سب جاننے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ اس لیے میں نے تم سے کنار کیا۔ اب تم نے اپنی ناواقفیت کا اعتراف کر لیا ہے۔ تو تم کو سکھانے میں کوئی حرج نہیں۔ تو سنو۔“

”میں ہمہ تن گوش ہوں۔“ شیخ بغدادی نے توجہ سے کہا۔ ”تم نے کھانا کھانے کے آداب میں جو کچھ بیان کیا۔ وہ سب فروعات ہیں۔ جبکہ اصول کی اہمیت مستم ہے۔ تو کھانا کھانے کی اصل یہ ہے کہ جو کچھ کھایا جائے۔ وہ حلال اور جائز ہو۔ اگر حرام غذا کو ایک ہزار آداب کے ساتھ بھی کھایا

جالتے۔ تو وہ بے فائدہ ہے اور دل کی تاریلی کا سبب بنتا ہے۔ بھلول نے بیان کیا۔

”سُبْحَانَ اللہ۔! آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔“ بھنید نے کہا۔

بھلول نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”بات کرنے میں سب سے پہلے قلب کی پاکیزگی اور نیت کا درست ہونا ضروری ہے اور وہ گفتگو خدا کی خوشنودی کے لیے ہونی چاہیے۔ اگر کسی دنیاوی

کام کی غرض سے ہوگی۔ تو چاہے کیسے ہی الفاظ چُنے جائیں۔ وہ مُصِیبت ہی مُصِیبت ہے۔ اس لیے خاموشی ہی میں عافیت ہے۔“ سونے کے بارے میں جو کچھ تم نے بیان کیا۔ وہ بھی

فروعات ہیں۔ اس کی اصل یہ ہے کہ سوتے وقت دل میں کسی بھی مسلمان سے بغض، کینہ اور حسد نہ ہو۔ دل میں دنیا اور مال دنیا کا لالچ نہ ہو۔ اور سوتے ہوئے خدا کی یاد دل میں ہو۔ شیخ بغدادی نے بے ساختہ اٹھ کر بھلول کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

اور اُسے دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہوئے۔ ان کے جو مُرید بھلول کو دیوانہ اور پاگل سمجھ رہے تھے۔ انھیں اپنے عمل پر خجالت و شرمندگی ہوئی اور انھوں نے نئے سرے سے اپنے قلب کی روشنی میں زندگی کو دیکھنا شروع کیا۔



عبداللہ مبارک کے دل میں بھلّوں سے ملاقات کا شوق ہوا۔ کسی نے بتایا کہ وہ صحرا میں ملے گا۔ عبداللہ صحرا کی جانب روانہ ہوا۔ ایک جگہ اس نے بھلّوں کو دیکھا کہ ننگے سر، ننگے پاؤں یاھو۔ یاھو پکار رہا ہے۔ وہ قریب گیا اور سلام کیا۔ بھلّوں نے سلام کا جواب دیا۔

عبداللہ مبارک بولا۔ یا شیخ۔ مجھے کچھ نصیحت کیجیے۔ مجھے بتائیے کہ زندگی کو گناہوں سے کس طرح پاک کروں۔ اپنے سرکش نفس سے کس طرح بازی لے جاؤں اور کیوں کہ راہِ نجات اختیار کروں؟

بھلّوں نے سادگی سے کہا۔ ”بھائی۔ جو خود عاجز اور لاشیان ہے۔ اس سے کوئی دوسرا کیا امید رکھ سکتا ہے۔ میں تو دیوانہ ہوں۔ تو جا کر کسی عقلمند کو تلاش کر جو تیری فرمائش پوری کر سکے۔“

عبداللہ نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ ”بھلّوں۔ اسی لیے تو یہ ناچیز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے کہ سچی بات کہنے کی جرأت تو صرف دیوانے ہی رکھتے ہیں۔“

بھلّوں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش

ہو گیا۔ عبداللہ منتِ خوشامد کرنے لگا۔ جب اس نے بہت مجبور کیا۔ تو بھلّوں بولا۔

”عبداللہ۔ میری چار شرطیں ہیں۔ اگر تم قبول کر لو۔ تو میں تمہیں راہِ نجات دکھا دوں گا۔“

”بسر و چشم۔! چار کیا میں آپ کی چار ہزار شرطیں ماننے کو تیار ہوں کہ راہِ نجات تو اس میں سستی ہے۔“ عبداللہ نے بے صبری سے کہا۔

”تو پھر سن۔“ بھلّوں کہنے لگا۔ ”میری پہلی شرط یہ ہے کہ جب تو کوئی گناہ کرے یا خدا کے حکم کی نافرمانی کرے۔ تو اس کا رزق بھی مت کھا۔“

عبداللہ گھبرایا۔ ”یہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی خدا کا رزق نہ کھائے۔“

بھلّوں بولا۔ ”تو پھر عقلمند آدمی۔ خدا کی بندگی کا دعویٰ بھی نہ کرو۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ جس کا کھاؤ اسی کی نمک حرامی کرو۔“

عبداللہ نے اعتراف کیا۔ ”آپ سچ فرماتے ہیں۔ دوسری شرط بیان کیجیے۔“

”دوسری شرط یہ ہے کہ جب تو کوئی گناہ کرنا چاہے۔ تو خدا کی زمین سے نکل جا۔ کہ یہ دنیا محض خدا ہے۔ بھلّوں



نے کہا۔

”اَفْ خُدا یا۔! یہ شرط تو بالکل ہی ناقابلِ عمل ہے۔ زمین کے سوا بندہ کہاں رہ سکتا ہے۔“ عبداللہ مبارک چلایا بھُلُول بولا۔ ”عبداللہ اتنا پریشان کیوں ہو رہا ہے۔ کیا تجھ میں ذرہ برابر بھی انصاف نہیں ہے۔ کیا تیرے خیال میں یہ صحیح ہے کہ بندہ جس کے مُلک میں رہے۔ جس کا رِزق کھاتے اور جس کی بندگی کا دعویٰ کرے۔ اس کی نافرمانی بھی کرے۔“

عبداللہ نادیم ہوا۔ ”بھُلُول بے شک آپ نے سچ فرمایا۔ اب تیسری شرط بھی بیان کیجیے۔“

بھُلُول بولا۔ ”بھائی تیسری شرط یہ ہے کہ جب تو کوئی گناہ کرنے کا ارادہ کرے۔ یا خدا کی نافرمانی کرنا چاہے۔ تو کسی ایسی جگہ جا کر جہاں خدا تجھے نہ دیکھ سکے۔ نہ ہی تیرے حال سے واقف ہو۔ جب تجھے کوئی ایسی جگہ مل جاتے جہاں تجھے خدا نہ دیکھے۔ تو پھر جو تیرا دل چاہے کر۔“

عبداللہ بے حد پریشان ہوا۔ ”جناب شیخ بھُلُول۔ یہ شرط بھی ویسی ہی کٹھن اور ناقابلِ عمل ہے۔ خدا تو حاضر و ناظر ہے۔ وہ عالم الغیب ہے۔ وہ سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے۔ تو پھر ایسی کون سی جگہ ہے جو اس سے پوشیدہ اور اچھلے

”تو عبداللہ! جب تو یہ جانتا ہے۔ کہ وہ حاضر و ناظر ہے۔ تو پھر کیا کسی بندے کو زیب دیتا ہے کہ وہ خدا کی زمین پر رہے۔ اس کا رِزق کھاتے۔ اور اس کے سامنے ہی اس کی نافرمانی کرے اور پھر بھی اسے بندگی کا دعویٰ ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے۔ یہ خیال نہ کرو کہ اللہ اس عمل سے غافل ہے۔ جو ظالم کرتے ہیں۔“

عبداللہ نے پشیمانی سے کہا۔ ”بھُلُول میں لاجواب ہوں۔ اب آپ اپنی چوتھی شرط بیان کریں۔“

بھُلُول کہنے لگا۔ ”چوتھی شرط یہ ہے کہ جس وقت مُلک الموت اچانک تیرے پاس آئے۔ تاکہ خدا کے امر کو پورا کرے اور تیری رُوح قبض کر کے لے جائے تو تو اس گھڑی مُلک الموت سے کہنا۔ ”اے مُلک الموت۔ ذرا تو ٹھہر۔ میں اپنے عزیزوں سے رخصت ہوں۔ اور وہ توشہ اپنے ساتھ لے لوں۔ جو آخرت میں میری نجات کا سبب ہو۔ پھر تو میری رُوح قبض کرنا۔“

”ملک الموت کب کسی کو مہلت دیتا ہے شیخ بھُلُول۔ یہ آپ نے کیسی کڑی شرط لگادی ہے۔“ عبداللہ مبارک نے فریاد کی۔

”تو پھر اے دانشمند۔ اس دیوانے کی بات سن۔ جب تو



جانتا ہے کہ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ مَلُکُ الْمَوْتِ کسی کو  
 مُہَلَّت نہیں دیتا۔ گناہوں کے بیچ میں کسی وقت بھی —  
 مَلُکُ الْمَوْتِ سامنے آن کھڑا ہوتا ہے۔ پھر ایک سانس کی بھی  
 مُہَلَّت نہیں ملتی۔ جیسا کہ خُداوندِ عَالَم نے فرمایا ہے —  
 ”جس وقت موت آتے گی۔ تو نہ گھڑی بھر کی دیر ہوگی، نہ  
 جلدی“ — تو اے عبداللہ! تو کب غفلت سے ہوشیار  
 ہوگا۔ ۹۹ دیکھ غرور سے دُور رہ اور آخرت کی فکر کر۔ لمبا  
 سفر سامنے ہے اور عمر بہت مختصر ہے۔ جو کام اور عمل خیر  
 آج ہو سکتا ہے۔ وہ آج ہی کر لو۔ کیا خبر تو کل کو نہ دیکھ  
 سکے۔ جو وقت ہاتھ میں ہے وہی غنیمت ہے۔ اعمالِ خیر کی  
 صورت میں آج ہی آخرت کا توشہ اپنے ہمراہ لے لے۔ ایسا  
 نہ ہو کہ کل پچھتانا پڑے۔“

عبداللہ کا سر جھکنا چلا گیا اور اس کی زبان گنگ ہوئی۔  
 بُہلول نے کہا — ”عبداللہ! تم نے خود ہی مجھ سے نصیحت کرنے  
 کی فرمائش کی تھی۔ جو تمہیں راہِ نجات دکھا دے۔ تم نے اب  
 سر کیوں جھکالیا ہے۔ ۹۹ تمہاری زبان پر تالا کیوں پڑ گیا ہے  
 تم آج میرے سامنے لا جواب ہو گئے ہو۔ تو جب کل روزِ حشر  
 تم سے پوچھ گچھ ہوگی۔ تو کیا جواب دو گے۔ یہاں اس دنیا  
 میں ہی اپنا حساب صاف کرو۔ تاکہ کل کے خوف سے پناہ

میں رہو۔“

عبداللہ نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور سچائی سے بولا —  
 ”جناب شیخ بُہلول! میں نے آپ کی نصیحت کو دل و جان سے سنا  
 ہے اور اُسے حرزِ جان بنا لوں گا۔ آپ نے مجھے اپنا مرید بنالیا  
 ہے۔ لوگ تو آپ کو یوں ہی دیوانہ کہتے ہیں۔ ورنہ کون نہیں  
 جانتا کہ آلِ محمدؐ کی صحبت اور محبت نے آپ کو یگانہ روزگار بنا دیا  
 ہے۔ آپ پاگل نہیں۔ آلِ محمدؐ کے دیوانے ہیں۔“

بُہلول نے اپنی گڈڑی اٹھائی اور یہ کہتا ہوا چل پڑا —  
 ”بندے کو لازم ہے کہ جو کچھ کرے۔ خدا کے حکم سے کرے اور  
 جو کچھ کہے سنے خدا کے حکم سے۔ کیونکہ وہ بندگی کا دعویٰ رکھتا  
 ہے۔ اور خود کو خدا کا بندہ کہتا ہے۔“